حدیثِ قرطاس- ایک تنقیدی جائزہ

گزشتہ سے پیوستہ:

محمد یٰسین مظہر صدیقی*

دقائق صوفیانہ:

صوفیہ کرام اوران کے حقائق ومعارف کے بارے میں ایک عام ومشہور غلط فہمی یہ ہے کہ ان کے مآخذِ علم وفن صرف کشف والہام جیسے مابعد الطبیعاتی ذرائع ہیں اوران کا اکتسابی علوم شریعت بالخصوص قرآن وحدیث سے ذرا واسطہ نہیں عام صوفیہ اور تصوف مروجہ کے علمبر داروں نے الہام وکشف وکرامات پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر اس غلط فہمی کو عام کیا ہے۔ ناقدین تصوف نے کچھ ان اشتہارات متصوفہ کی بنا پر اور زیادہ تر اپنی کم علمی اور مخالفت کی وجہ سے اسی میں مبتلا رہنا پسند کیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف کے علم اور عمل دونوں کے مآخذ اسلامی علوم وفنون ہی ہیں اور مابعد الطبیعاتی بعد میں آتے ہیں۔(۱)

اکابر صوفیہ کا ایک سلسلہ زریں ہے جو اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے علاقے میں عظیم ترین علماء ومحدثین میں شمار ہوتے تھے ان کا نصاب تصوف دراصل نصاب شریعت کی تکمیل کے بعد ہی شروع ہوتا تھا کیونکہ علوم شرعی میں کمال کے بغیر وہ کمالِ باطن نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ متعدد شیوخ واکابر صوفیہ نے اپنے خاص مریدوں اور مخصوص سالکوں کو علوم شریعت کی تکمیل کی ہدایت کی اور خود ان بزرگ مشائخ واکابر نے علوم دینی کی تکمیل ومہارت کے بغیر علوم ومعارف باطن کے خطرناک میدان میں قدم نہیں رکھا ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ علوم دینی اور معارف شرعی میں مہارت وحذاقت کے بغیر علوم تصوف واعمال صوفیہ ضرر رساں ہی ہوتے ہیں۔(۲)

تمام بزرگ صوفیہ کرام اوران میں سے صاحبان قلم ونگارش خاص طور پر شیوخ اور مرشدین کے ساتھ ساتھ مریدین اور سالکین کے لیے الگ الگ نصابِ درسِ دینی تجویز کرتے ہیں اور علوم دین وشریعت کا اپنا اپنا نصاب بناتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (احمد بن عبد الرحیم فاروقی، ۴شوال ۱۱۱۴ھ/ ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء- ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ/ ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء) نے اپنے زمانے کے مرشدین اور مسترشدین دونوں کے لیے الگ الگ نصاب شریعت تیار کیا تھا اوران کی تکمیل کے بغیر وہ مرید وسالک کو راہ سلوک میں قدم دھرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور مشائخ ومرشدین کو مسند وسجادہ پر بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔(۳)

’’سالک ہر روز قرآن کے دو رکوعوں کا ترجمہ پڑھے یا سنے اور ہر روز حدیث کے دو تین صفحے پڑھے۔‘‘(۴)

اکابر صوفیہ اور عبقریات تصوف نے خالص دینی علوم اور شرعی فنون میں بھی اپنی علمی وتحقیقی تصانیف چھوڑی ہیں۔ ان میں

*پروفیسر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، سابق ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ وشاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، انڈیا۔

قرآن وحدیث اور فقہ کے علاوہ علم کلام وفلسفہ اور دوسرے متعدد علوم شریعت کے ساتھ سماجی علوم وفنون شامل ہیں۔اہل قلم صوفیہ کی خالص صوفی نگارشات میں بھی علوم شریعت ودین کے بہت سے قیمتی مباحث ملتے ہیں جوان کے علمی تبحر کا ثبوت ہیں۔قرآن مجید کی تفسیر وتاویل، حدیث شریف کی تشریح وتعبیر اور فقہ اسلامی کی تحقیق وتفتیش میں وہ خالص ان علوم وفنون کے ماہرین سے کسی طرح کمتر نہیں ہیں۔امام غزالی (ابو حامد محمد بن طوسی کی احیاء علوم الدین، امام قشیری (ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن، ۳۷۶/ ۹۸۶-۴۶۵/۱۰۷۲،خراسانی امام) کی تفسیر لطائف الاشارات اور تصوف کا شہکار ''رسالہ قشیریہ'' علوم شریعت وطریقت میں امتزاج کی چند مثالیں ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں متعدد اکابر صوفیہ اور مشائخ عظام نے اسلامی علوم وفنون کے ساتھ علوم طریقت میں بھی عظیم کارنامے انجام دیے۔ ان میں حضرت مجدد الف ثانی (احمد بن عبدالاحد سرہندی، ۱۴شوال ۹۷۱ھ/۱۶مئی ۱۵۶۴ھ- ۲۸ صفر ۱۰۳۴/۳۰ نومبر ۱۶۲۴)اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے علوم شریعت وطریقت میں غیر معمولی تصانیف چھوڑیں۔ بالخصوص موخرالذکر نے قرآن وحدیث، فقہ وکلام، تصوف وفلسفہ اور سماجیات ونفسیات پر پورا ایک کتب خانہ تیار کردیا ہے۔ان کی نگارشات تصوف بھی علوم اسلامی کے معارف ودقائق سے عاری نہیں ہیں۔ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ وہ طریقت پر شریعت کو ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں حتی کہ سلوک الی اللہ کے دوطریقوں میں سے طریق ولایت کوفروتر اور کمزور اور طریق نبوت کو بہتر اور یقینی بتاتے ہیں۔(۵)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوباتِ امام ربانی میں متعدد علوم اسلامی کے معارف ودقائق موجود ومستور ہیں۔ان کے ان کمالات پر بیش قیمت تحقیقات روز بروز سامنے آرہی ہیں اور تصوف کے علاوہ خالص معارف دینی کی ایک نئی تعبیر مل رہی ہے.اس مقالے میں اس طویل مگر ضروری تمہید کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب میں حدیث/ واقعہ قرطاس کے حوالے سے ہی بحث کرنی مقصود ہے کہ وہ ہمارے اس سہ گانہ مطالعہ کا تیسرا زاویہ پیش کرتا ہے۔حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات کے دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۹۶ میں اس اہم واقعہ سیرت وشریعت پر خاص صوفیانہ نظر ڈالی ہے۔ذیل میں اسی کی تلخیص پیش کی جارہی ہے:

''پہلا مقدمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام معقولات اور منطوقات وحی کے ذریعے نہ ہوتے تھے اور آیت کریمہ: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ قرآنی نطق کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اہل تفسیر نے اس کو بیان کیا ہے۔اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ کی تمام کہی باتیں وحی کے مطابق ہوتیں تو آپ کے بعض کلام پر اعتراض وارد نہ ہوتے اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنكَ لِمَ اَذِنتَ لَهُمْ﴾''(۶)

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اجتہادی احکام اور امور عقلیہ میں بموجب آیت کریمہ:

﴿فَاعْتَبِرُوا يَاُولِي الْاَبْصَارِ......﴾(۷)

اور آیت کریمہ

﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ......﴾ (۸)

صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ سے گفتگو کی گنجائش تھی اور ان میں رد و بدل کی مجال تھی کیونکہ قیاس کا امر اور مشورہ کا امر رد و بدل حاصل ہوئے بغیر کوئی صورت نہیں رکھتا۔ اور بدر کے قیدیوں کے فدیہ اور قتل کے متعلق جو اختلاف واقع ہوا تھا اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا تھا تو وحی عمر فاروقؓ کی رائے کے مطابق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے اور کوئی نجات نہ پاتا'' کیونکہ حضرت سعدؓ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔''(۹)

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ سہو اور نسیان پیغمبرؑ پر جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ ذوالیدینؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ذوالیدینؓ نے عرض کیا:

''أقصرت الصلوة ام نسيت يارسول الله ﷺ''(۱۰)

''کیا نماز کم ہو گئی ہے یا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ بھول گئے ہیں''

تو ذوالیدینؓ کی بات کے سچا ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھے اور دو رکعت اور ان کے ساتھ ملائیں اور سجدہ سہو کیا۔(۱۱)

جب سہو اور نسیان صحت اور فراغت کی حالت میں یہ تقاضائے بشریت جائز ہو تو مرض الموت کے درد کے غلبہ کے وقت یہ تقاضائے بشریت رسول اللہ ﷺ سے بے قصد اور بے اختیار کلام کا صدور کیوں کر جائز نہ ہوگا اور احکام سے اعتماد کیوں اٹھ جائے گا کیونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ یقینی وحی سے رسول اللہ ﷺ کو سہو اور نسیان پر اطلاع فرما دیتا تھا اور درست کو غلط سے الگ کر دیتا تھا۔ کیونکہ غلطی پر نبی کا قائم رہنا جائز نہیں کیونکہ یہ احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ محض سہو و نسیان احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کا موجب نہیں ہیں بلکہ سہو و نسیان پر قائم رہنا رفع اعتماد کو مستلزم ہے اور یہ تو طے شدہ چیز ہے کہ اس پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔(۱۲)

''چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت فاروقؓ بلکہ خلفائے ثلاثہؓ کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ حدیثیں جو کہ خاص طور پر ان کو جنت کی بشارت کے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ اپنے معتبر رواۃ کی کثرت کے سبب سے حد شہرت بلکہ بحد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا انکار یا تو جہالت کی بنا پر ہے یا عناد کی بنا پر۔ صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہل سنت ہیں جنہوں نے اپنے اساتذہ صحابہ وتابعین سے ان کو روایت کیا ہے اور تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اگر اکٹھا کریں تو معلوم نہیں کہ اہل سنت راویوں کے عشر عشیر کو بھی پہنچیں...... اور اہل سنت کی احادیث کی کتابیں ان اکابرین کو جنت کی بشارت سے بھری پڑی ہیں...... ان اکابر کو جنت کی بشارت کا ثبوت تو قرآن مجید ہی سے کافی ہے اور وہ کافی آیات ہیں''...... حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس کے بعد سورۃ توبہ: ۱۰۰، سورۃ حدید: ۱۰-۱۱ اور سورۃ فتح: ۱۸ کو نقل کر کے مزید لکھا ہے کہ فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے والے صحابہ کے دونوں طبقات کو جنت کی بشارت دی گئی اور ان کی عظمت تسلیم کی گئی ہے۔ پھر امام محی السنہ بغوی کی تفسیر معالم التنزیل سے حضرت جابرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ بیعت رضوان میں شریک کسی شخص کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا لہٰذا ایسے صحابہ کرامؓ کو کافر کہنا بدترین

کفر ہے۔(۱۳)

اور پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا کاغذ لانے میں توقف کرنا ردوانکار کی وجہ سے نہ تھا...اس طرح کی بے ادبی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سرزد ہوسکتی جو خلق عظیم سے متصف ہے بلکہ کسی ادنیٰ صحابی سے جو کہ ایک یا دو بار صحبت خیر البشر سے مشرف ہوا ہو اس معنی کی توقع نہیں ہوسکتی بلکہ آپ کی امت کے عوام سے بھی جو کہ اسلام کی دولت سے سعادت مند ہوئے اس قسم ردوانکار کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔...لہٰذا اکابر دین کے ساتھ بدظنی نہ کریں...... بلکہ حضرت عمرؓ کا مقصد سمجھنا اور استفسار کرنا تھا چنانچہ آپ نے فرمایا:''استفهموه''یعنی اگر آپ اہتمام واصرار سے کاغذ طلب فرمائیں تو لے آیا جائے۔(۱۴)

واقعہ قرطاس کی مجددی تحقیق:

خواجہ ابوالحسن بہابدخشی کشمی رحمہ اللہ نے حضرت مجدد کو اس موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا تھا۔حضرت مجدد نے ان کے مراسلے کے تمام ضروری نکات اپنے مکتوب مذکورہ بالا میں نقل کر کے ان کے جوابات بشکل مقدمات لکھے تھے۔

بظاہر یہ مقدمات اور دقائق صرف واقعہ قرطاس سے متعلق معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت مجدد کی وسیع الجہات بصیرت اور علمیت ان کو صحابہ کرامؓ کے مقام بلند اور خلافت اسلامی کے بعض اہم ترین امور کا مرقع علمی بھی بنا دیتے ہیں کیونکہ معرفت واحدہ سے معارف کلیہ کی طرف صعود فرماتے ہیں۔اس بحث میں حضرت مجدد کی علوم شریعت ودین پر ماہرانہ گرفت اور اس سے زیادہ حکیمانہ بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔

سوال مرید نقل کرنے سے اگرچہ تکرار کا الزام عائد ہوتا ہے تاہم اس سے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے جواب کی تفہیم بہتر طور سے ہوتی ہے۔

''سوال: خاتم المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام نے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا:
"ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی......"

اور حضرت فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کیساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا۔۔۔اور فرمایا''حسبنا کتاب اللہ''

اور یہ بھی فرمایا:''اهجر استفهموه......''اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرماتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ (۱۵)

اور وحی کی تردید اور اس سے روکنا کفر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ﴾ (۱۶)

اور پھر یہ بھی ہے کہ پیغمبر پر ہذیان اور ہجر کو تجویز کرنا اس کی شریعت سے اعتماد رفع کرنے کو مستلزم ہے......کی غلط باتوں کے محل متعین نہ کریں تو کم از کم شائد اس قدر جان لیں کہ ان شکوک کا نتیجہ اور ان شبہات کا حاصل بے فائدہ ہے بلکہ ہدایت اور ضرورت اسلامیہ سے ٹکر لینے والا ہے اور کتاب وسنت کی رو سے مردود ومطرود ہے۔اسکے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس

شبہ کے غلط مواد کی تعیین میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند مقدمے لکھے جاتے ہیں ان کو سنیں (سماعت فرمائیں)، ان اشکال کا پورا پورا حل چند ایک مقدمات پر مبنی ہے، اگر چہ ہر مقدمہ ایک علیحدہ جواب بھی ہے۔''

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس کے بعد چھ مقدمات کو مختصر اور نسبتاً مفصل دونوں طریقوں سے لکھا ہے۔ ان کی تلخیص مقدمہ بہ مقدمہ دی جاتی ہے: ''اور اگر اس معاملہ میں اصرار نہ کریں تو ایسے نازک وقت میں ان کو تکلیف نہ دی جائے کیونکہ اگر انہوں نے وحی یا حکماً کاغذ طلب کیا ہوگا تو تاکید اور مبالغہ سے کاغذ طلب کریں گے اور جو ان کو حکم ہوا ہے وہ لکھیں گے کہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے اور اگر یہ طلب وحی کی بنا پر یا حکماً نہیں ہے بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ اپنے اجتہاد و فکر سے کوئی چیز لکھ دیں تو وقت اس کی موافقت نہیں کرتا۔ اجتہاد کا مرتبہ تو آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے استنباط کرنے والے کتاب اللہ سے جو دین کا اصل الاصول ہے، احکام اجتہادیہ کا استنباط کریں گے۔ اور جب کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں، جو کہ نزول وحی کا وقت ہے، اجتہاد کرنے والوں کے استنباط کی گنجائش ہے تو آپ ؑ کے انتقال کے بعد، جو کہ انقطاع وحی کا زمانہ ہوگا، بطریق اولیٰ اہل علم کا اجتہاد و استنباط مقبول ہوگا۔ اور جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملہ میں اصرار و اہتمام نہ کیا، بلکہ اس امر سے منہ پھیرلیا تو معلوم ہو گیا کہ وہ وحی کے ذریعہ نہ تھا اور وہ توقف جو صرف استفسار کی بنا پر ہو وہ برا نہیں ہے۔''

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس کے بعد خلافت آدمؑ کے بارے میں ملاء اعلیٰ کے اللہ تعالیٰ سے استفسار کا ذکر سورۃ بقرہ: ۳۰ کے حوالے سے کیا ہے۔ اور حضرت زکریا و مریم علیہما السلام کے اولاد کے پیدا ہونے کے بارے میں استفسارات کا ذکر سورۃ مریم: ۸، ۲۰ کی آیات کریمہ نقل کر کے پھر لکھا ہے:

''اور حضرت فاروقؓ نے بھی استفہام کی بنا پر کاغذ لانے میں توقف کیا ہو تو کیا حرج ہے......'' (۱۷)

اور چھٹا مقدمہ یہ ہے کہ آنحضرت ؑ کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی وجہ سے حسن ظن کی ضرورت ہے اور یہ جاننا چاہیے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ تھا اور آپ کے صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد بنی آدم میں سے بہترین انسان ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں وہ امر باطل پر اجماع نہیں کر سکتے، اور خیر البشر علیہ السلام کے جانشین کافر اور فاسق لوگ نہیں بنائے جا سکتے۔...... یہ امت قرآنی نص کی بنا پر خیر الامم ہیں اور اس امت میں سے بہترین لوگ وہی ہیں کیونکہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ کی اس بحث کے دو نکات لائق توجہ ہیں:

۱۔ صحابہ کرامؓ خیر امت کے بہترین لوگ ہیں لہذا وہ امر باطل پر جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ پوری بحثِ مفصل کا خلاصہ ہے جو احادیث و احکام میں آتا ہے۔

۲۔ رسول اکرم ﷺ کے جانشین اور خلفاء کافر و فاسق نہیں ہو سکتے۔ وہ خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی خلافت کے ادوار

کا ایک اشارہ یہ ہے۔ اور تصوف کے لحاظ سے ولی کا مرتبہ کسی ادنیٰ صحابی سے بھی میل نہیں کھا سکتا خاص ہے ان لوگوں کے لیے جو اہل تصوف ہے۔

''اگر حضرت فاروقؓ کا کاغذ لانے سے روکنا کفر ہوتا تو حضرت صدیق اکبرؓ، جو کہ قرآنی نص کی بنا پر اس بہترین امت میں سے پرہیز گار ترین انسان تھے وہ آپ کی خلافت کی تصریح نہ کرتے، اور مہاجرین وانصار کہ حضرت سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں ان کی تعریف وثنا فرمائی ہے...... آپ سے بیعت نہ کرتے اور انہیں پیغمبر کا جانشین نہ بناتے......''

اور جب رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور صحابہ کرامؓ سے حسن ظن، جو کہ محبت کا مقدمہ ہے، حاصل ہوا تو اس قسم کے شبہات کی مزاحمت سے نجات میسر ہوگئی۔ (۱۸)

اور ایسے اعتراضات کا بطلان عقل سے معلوم ہوگیا...... حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ سے محبت کرنے اور ان کا احترام کرنے کو رسول اللہ ﷺ کی محبت واحترام کو مستلزم مانا اور صحابہ کرامؓ سے بغض اور دشمنی کو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی کو مستلزم قرار دے کر بدگمانی کو اصل مالک (حق سبحانہ تعالیٰ) تک جانے کا ذکر کیا ہے۔ (۱۹)

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس طویل اور مفصل بیان مقدمات کے بعد لکھا ہے کہ ان مقدمات کا مجموعہ ایسے اعتراضات کے دفعیہ میں دلیل سے گزر کر فراست میں لے آتا ہے...... فراست کا لفظ احتیاطاً زبان پر لایا ہوں ورنہ ایسے اعتراضات کا بطلان بالکل بدیہی ہے اور وہ مقدمے...... اس بداہت پر تنبیہات کی قبیل سے ہیں۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس قسم کی شبہات کی مثال بھی دی ہے کہ کوئی صاحب فن کسی پتھر کو اپنے دلائل سے سونا ثابت کردے اور بیوقوف لوگ اس کے دلائل کا دفعیہ نہ کرنے کے سبب اسے سونا مان لیں اسی طرح ملمع شدہ مقدمات وباطل اعتراضات سے کچھ لوگ خلفائے ثلاثہ بلکہ حضرت خیر البشر علیہم السلام کی بزرگی اور بلندئ درجات پر طعنہ زنی کرتے ہیں حالانکہ ان کی بزرگی اور طہارت وبلندی کتاب وسنت سے ثابت ومشاہد ہے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے سبّ وشتم اور اسلام کے اسلاف واکابر پر طعنہ زنی اور گالی گلوچ کو اسلامی شریعت کے خلاف قرار دیا ہے حتی کہ دشمنان اسلام مثلاً ابوجہل اور ابولہب پر طعنہ زنی کو غلط سمجھا گیا ہے اور اِسے کسی طور کرامت وعبادت نہیں شمار کیا گیا ہے۔ (۲۰)

صحابہ کرامؓ کے درمیان رحمت ومحبت اور تعلق خاطر کا اثبات سورۃ فتح: ۲۹ سے کیا ہے اور ان کے دلوں سے کینہ وبغض نکال لینے کا بیان الٰہی پیش کر کے کہا ہے کہ ان سے کینہ وعداوت رکھنا نص قرآن کے خلاف ہے، حضرت مجدد رحمہ اللہ نے صحابہ کرامؓ کے دو یا زیادہ فریقوں کے درمیان کینہ وعداوت کا اثبات کرنے کو غلط ٹھہرایا ہے کہ اس کی وجہ سے سب مطعون ہوں گے۔ اور اسکے بعد خلفائے راشدین اور حضرات علیؓ ومعاویہؓ کے درمیان خلافت کے معاملہ پر اختلاف طرفین کے بارے میں لکھا ہے کہ دونوں

فریقین کے پاس ان کے موقف کی دلیل تھی لہذا وہ طعن وملامت اور تفسیق وتکفیر کے مستحق نہیں۔

تنقیدی محاکمہ:

سیرت نبوی کا ایک اہم واقعہ-واقعہ قرطاس-اور حدیث نبوی کا ایک اہم تر بیان-حدیث قرطاس-اگر چہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں تاہم ان کی دو حیثیتیں ہیں: ایک تاریخی معاملہ کی اور دوسرے ایک دینی مسئلہ کی اور ان دونوں جہات کے سبب اسلامی علوم وفنون کے دو اہم ترین علوم حدیث وسنت اور سیرت وسوانح-کے ماہرین نے اس سے اعتنا کیا ہے۔ بعض دوسری وجوہ سے جن کا ذکر آگے آتا ہے، اس معمول کے واقعہ سیرت اور فرمان وحدیث نبوی کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ ان وجوہ سے اس واقعہ وحدیث کو غیر معمولی حیثیت وخصوصیت مل گئی اور اس نے اسلامی ناقدین کو مواقع نقد بھی دیے ہیں۔

بیان وترسیل کے اعتبار سے ہر طبقہ علماء وماہرین میں، خواہ قدیم ہوں یا جدید، دو قسم کے اہل قلم ملتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اپنی کتب ونگارشات میں اس حدیث وواقعہ کو تفصیل کے ساتھ یا اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں جیسے محدثین کرام میں امامانِ عظیم بخاری ومسلم اور احمد بن حنبل رحمھم اللہ ہیں۔ ان کے بعض معاصرین اور متبعین میں بھی بعض ہمنوا ملتے ہیں۔ مورخین قدیم اور سیرت نگارانِ اولین میں امامانِ فن واقدی وابن سعد سرفہرست ہیں اور ان کے ساتھ بلاذری اور طبری وغیرہ شامل ہیں۔ جدید سیرت نگاروں میں شبلی نعمانی اور ان کے جامع سید سلیمان ندوی اولیت کا شرف رکھتے ہیں اور متعدد دوسرے جیسے عبدالرؤف داناپوری، محمد ادریس کاندھلوی، محمد جعفر شاہ پھلواری وغیرہ مفصل مباحث کرتے ہیں تو قاضی سلیمان منصوری وغیرہ مختصر بیانات دیتے ہیں۔

صوفیہ کرام میں حضرت مجدد رحمہ اللہ نے خاص اسی مسئلہ پر ایک مکتوب میں مفصل اور مدلل شرح پیش کی ہے ممکن ہے کہ دوسرے بھی ہوں۔ دوسرے وہ اہل فن ہیں جنہوں نے اس واقعہ وحدیث کو سرے سے قابل اعتنا نہیں سمجھا اور انکی وجوہ ان ہی کو معلوم تھیں۔ قدیم وجدید محدثین کرام میں بہت سے اکابر ہیں جن کے ہاں حدیث قرطاس نہیں آئی ہے۔ ان میں امام مالک سرفہرست اور اہم ترین ہیں۔ سیرت نگاروں کے امام ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اپنی متداول کتب سیرت میں اس بحث کو سرے سے نہیں آنے دیا۔ لہذا ان کے بہت سے شارحین جیسے سہیلی وغیرہ کے بھی ہاں اس کا ذکر یا حوالہ نہیں ملتا۔ ابن ہشام کے دوسرے پیروکار بھی ہیں۔ صوفیہ کرام کا وہ اصل مبحث ہی نہ تھا لہذا ان سے توقع رکھنی بیجا ہے۔ ان میں سے بیشتر کے ہاں یہ واقعہ سیرت وحدیث نہیں مذکور ہے۔

اسناد حدیث وواقعہ:

فن رجال اور نقدِ حدیث وسیرت کے اعتبار سے ایک اہم یہ بحث ہے کہ حدیث وواقعہ قرطاس کی اسناد کیا اور کیسی ہیں؟

صحیحین کی تمام احادیث قرطاس شیوخ ورواۃِ بخاری ومسلم کے ذریعہ صرف ایک صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمیؓ پر ختم

ہوتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی احادیث میں تفرد و انفرادیت کے باوجود معاملہ اسناد یکساں ہے۔ ان کا بنیادی ماخذ حضرت ابن عباسؓ ہی ہیں۔

کتب حدیث اور امامانِ سنت کا جاہ وجلال ہی غالباً وہ واحد سبب ہے کہ بعد کے تمام مورخین و ماہرین فن نے ان ہی کی احادیث لی ہیں اسی بنا پر شبلی نعمانی کو شکوہ کا موقعہ ملا کہ صحیحین کی تمام روایات واحادیث صرف ایک صحابی سے مروی ہیں جو ایک اہم واقعہ سیرت اور اس سے زیادہ وسیع تر اسلامی قاعدہ اور فنی اصول کے اثبات کے لیے ناکافی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت اس واقعہ کے واقع ہونے کے وقت موقعہ پر موجود تھی لیکن کسی دوسرے صحابی سے اس حدیث کی ترسیل نہیں ملتی۔ کتب حدیث پر یہ عام نقد بھی ہوسکتا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اگر روایات سیرت سے اعتنا کیا ہوتا تو ان کو اس شکایت کا موقعہ اور نقد کا حوصلہ نہ ملتا۔ حیرت کی بات ہے کہ تمام دیگر قدیم وجدید سیرت نگاروں اور شارحین حدیث نے عظیم امامان سیرت کی روایاتِ حدیث قرطاس کو نظر انداز کر دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسے جامع شارحِ حدیث نے ابن سعد کی روایت کا ذکر تو ایک خاص مرحلہ کے لیے کیا مگر روایتی بحث نہیں کی۔ روایت کے اعتبار سے سیرتی احادیث قرطاس بہت اہم ہیں خاص کر امام ابن سعد کی احادیث جو تعداد میں بھی کافی ہیں اور گوناگوں بھی ہیں۔ ان کی نو روایات واحادیث میں سے چار روایات ان کے شیخ واستاد واقدی کی سند سے مروی ہیں اور بہت عالی اسناد رکھتی ہیں۔ ان میں سے دو تو حسب معمول حضرت ابن عباسؓ پر منتہی ہوتی ہیں لیکن دو احادیث قرطاس حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری سے مروی ہیں۔ اسی طرح واقدی رحمہ اللہ کی اسناد کے علاوہ ان کی اپنی خاص سند سے ایک حدیث ان ہی انصاری صحابی سے مروی ہے۔ ان کی چوتھی حدیث ان کی اپنی سند سے ایک اور صحابی جلیل حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے۔ ان کی بقیہ پانچ احادیث حضرت ابن عباسؓ سے ان کی مذکورہ بالا یا مختلف اسناد سے مروی ہیں جیسی کہ وہ صحیحین میں ہیں اور ان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ حدیث قرطاس ابن سعد میں چار صحابہ کرامؓ حضرت عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ امام سیرت ونسب بلاذری کی بھی دو احادیث میں ایک حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری سے ان کی اپنی خاص سند سے منقول ہے اور دوسری حضرت ابن عباسؓ سے جو صحیحین کے مطابق ضرور ہے مگر اس میں بعض اضافات قیمتی ہیں۔

نقد اسناد:

امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ عنہما اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی حدیث قرطاس کی اسناد پر قدیم ناقدین وشارحین نے نقد وجرح نہیں کی ہے۔ مباحثِ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ونووی رحمہ اللہ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان تمام سندوں کو صحیح وثقہ تسلیم کرتے ہیں اور وہ بلاشبہ ہیں بھی صحیح۔ متاخرین میں سے مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے مروی احادیث صحیحین

پر جرح کر کے ان کی استنادی حیثیت پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔تعجب یہ ہے کہ ناقدین بلکہ معاندین شبلی نے مرویات ابن عباسؓ کی جرح وتعدیل شبلی کے مسئلہ پر بالکل خاموشی اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ ان پر نقد بلکہ طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے خواہ مولانا شبلی مرحوم کا بیان ونقد بالکل صحیح کیوں نہ ہو۔(۲۱)

مولانا شبلی رحمہ اللہ کو مرویات ابن عباسؓ پر دو اہم اشکال ہیں: ایک حضرت ابن عباسؓ اس روایت و واقعہ کے ظہور وحدوث کے وقت موقعہ پر یعنی حجرہ نبوی میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ موجود نہ تھے اور انہوں نے نہ جانے کس سے یہ واقعہ سنا تھا۔دوسرا وہ اس وقت صرف ۱۳-۱۴ سال کے لڑکے تھے اور ان سے کافی بڑے صحابہ کرامؓ نے جو موقعہ پر موجود تھے اس کو روایت نہیں کیا۔ نقد روایت کے دونوں نکاتِ شبلی صحیح نہیں ہیں۔شارحین حدیث سے زیادہ خود مرویات بخاری ومسلم ان کی موقعہ پر موجودگی ثابت کرتی ہیں اور شارحین گرامی میں ابن حجر عسقلانی کی شرح بھی جس کے بارے میں مولانا مرحوم کو خاصا تسامح بلکہ مغالطہ ہوا ہے، مرویات ماہرین سیرت بالخصوص امام ابن سعد رحمہ اللہ کی احادیث کو نظر انداز کر دینے کے سبب ان کو دوسرے جلیل القدر صحابہ اور موقعہ ومحل کے عینی شاہدین کی مرویات واحادیث کا علم نہیں ہو سکا۔پھر حضرت ابن عباسؓ کی کم عمری ثابت کرنا بھی خالی از خلل مبحث نہیں ہے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ کی اسانید بالخصوص ان کے استاد گرامی واقدی رحمہ اللہ کی اسانید اور ان کی صحت کے بارے میں بھی ایک عرض کرنی ضروری ہے۔اول تو یہ کہ امام ابن سعد رحمہ اللہ کی اپنی خاص اسانید سے روایات ہوں یا ان کے استاد واقدی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کی وجہ سے وہ ثقہ سمجھی جاتی ہیں۔کیونکہ وہ سب کے نزدیک ایک معتبر محدث اور ثقہ راوی تھے۔حتی کہ ان کے واسطے سے ان کے استاد کی مرویات بھی ثقہ ومعتبر گردانی جاتی ہیں۔اگر چہ مولانا شبلی وسلیمان ندوی اور متعدد دوسرے اکابر سیرت وحدیث نے واقدی رحمہ اللہ اور ان کے واسطے سے ابن سعد رحمہ اللہ کی مرویات کو مجروح قرار دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ امام واقدی رحمہ اللہ خود اپنی ذات سے معتبر وثقہ ہیں اور ان کی توثیق مزید ان کے شاگرد کرتے ہیں۔واقدی رحمہ اللہ پر طعن غلط مرویات کے سبب سے کیا جاتا ہے۔(۲۲)

واقدی رحمہ اللہ کی کتاب المغازی کی روایات واحادیث کے بارے میں ایک تحقیقی مقالے میں بہت عمدہ بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ تمام روایاتِ واقدی کسی نہ کسی شکل میں مسند احمد بن حنبل میں ملتی ہیں۔بعض جدید اہل علم کے علاوہ بہت سے قدیم ماہرین فن نے ان کی توثیق کی ہے۔احادیث قرطاس سے متعلق اسانید ومتون واقدی کا موازنہ صحیحین وغیرہ کی اسانید ومتون سے کیا جائے تو بہت اہم نکات ملیں گے۔

۱۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ کی تمام مرویاتِ واقدی رحمہ اللہ کے رواۃ وشیوخ ثقہ ومعتبر ہیں۔مثلاً چھٹی روایت ابن سعد میں ہشام بن سعد نے زید بن اسلمؒ اور حضرت زیدؒ نے اپنے والد اسلم رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔یہ پورا سلسلۂ رواۃ ثقہ

پر مبنی ہے۔(۲۳)

ساتویں روایت ابن سعد کے رواۃ ابراہیم بن یزید، ابوالزبیر بھی کافی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔(۲۴)

آٹھویں حدیث ابن سعد میں اسامہ بن زید لیثی و معمر بن راشد نے امام زہری سے روایت کی ہے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔(۲۵)

نویں مروی حدیث میں ابرہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ، ان کے شیخ و راوی داؤد بن حصین اور ان کے شیخ عکرمہ معتبر ہیں۔(۲۶)

امام ابن سعد کی غیر واقدی مرویات کے تمام رواۃ وشیوخ معتبر وثقہ ہیں اور ان کی تعدیل کی تصدیق ناقدین حدیث نے کی ہے۔(۲۷)

۲۔ دوسرا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ مرویات ابن سعد رحمہ اللہ خواہ واقدی کے واسطہ سے ہوں یا کسی اور شیخ کے ذریعہ سے، ان کے شاہد صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں ملتے ہیں۔ان کے تمام بیانات ومتون بیشتر نکات ومعاملات میں معتبر محدثین کے مطابق ہیں۔متون کے نقد اور روایت کے مبحث میں اس پر بحث آتی ہے۔

۳۔ تیسرا نکتہ جس کے لیے واقدی کو متہم کیا جاتا ہے یہ ہے کہ مرویات ابن سعد میں بعض نئے بیانات وقیمتی تصریحات ہیں۔جن سے بقول شبلی واقعہ کی خصوصیات کا پتہ لگایا جاتا ہے اور جا سکتا ہے۔اس پر بحث کچھ دیر میں آتی ہے۔ واقدی پر سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ وغیرہ ناقدین کا ایک نقد یہ ہے کہ وہ بہت سی جزئیات دیتے ہیں اور ان کی تمام انفرادی اضافی چیزیں ناقابل قبول ہیں۔اضافات وجزئیاتِ نو کا معاملہ تو مکررات صحیحین میں بھی پایا جاتا ہے۔ دوسرے اضافات واقدی بیشتر معاملات میں کتب حدیث کے مطابق ہیں جو ان کے نئے اضافات کو مستند بناتے ہیں۔

۴۔ اختلافات متون سے تو مرویات صحیحین بھی مبرا نہیں ہیں جیسا کہ خود امامین ہمامین اور ان کے شارحین کرام نے تسلیم کیا ہے یہی مکررات واضافات بخاری ومسلم تو ان کی مرویات کی جان ہیں مگر واقدی میں ان کو خطرہ ایمان قرار دیا جاتا ہے۔وہ صرف عناد کا معاملہ ہے۔

۵۔ مرویات صحیحین سے مرویات واقدی وابن سعد کا موازنہ بتاتا ہے کہ تمام روایات حضرت ابن عباسؓ بیشتر معاملات میں یکساں ہیں۔صرف ایک دو میں کچھ اضافات ملتے ہیں۔ان کی توثیق وتغلیط صرف محاکمہ کے بعد ہی کی جاسکتی ہے مگر بظاہر وہ صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔

متونِ احادیث کی درایتی تنقید:

کتب حدیث بالخصوص صحیحین کی احادیث قرطاس کا درایتی مطالعہ ونقد مختلف شارحین اور سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ ان میں بنیادی شارح بخاری کے مفسر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہیں اور انہوں نے متعدد پیشرو شارحین وائمان حدیث سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں امام نووی رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ، امام خطابی رحمہ اللہ، امام ابن جوزی رحمہ اللہ، حافظ کشمیہنی رحمہ اللہ، قاضی عیاض رحمہ اللہ، امام مازری رحمہ اللہ وغیرہ کی تشریحات وتنقیدات شامل ہیں۔ سیرت نگاروں میں قدیم اکابر کی تشریح وتعبیر بہت معمولی بلکہ مفقود ہی ہے البتہ جدید اہل قلم بالخصوص شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے درایتی تنقید کی ہے۔ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی تشریح وتعبیر کا فریضہ انجام دیا۔ ہے مگر وہ پوری کی پوری حافظ ابن حجر وغیرہ پیشرؤوں سے مستعار ہے۔ ان کے بعض بیانات واقوال آزادانہ طور پر بھی ملتے ہیں مگر ان پر دوسری تشریحات احادیث کی طرح نقد کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیے۔ ذیل میں درایتی نقد ومطالعہ متون کے نکات سے بحث کی جارہی ہے۔ اور سب سے پہلے محدثین اور ان کے شارحین کے عطایا کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ صحیحین کی تمام احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدیث قرطاس کا واقعہ المناک جمعرات کا ہے جو وفاتِ نبوی سے چار یوم کا معاملہ ہے۔ (ناقدین متون نے بالخصوص شبلی نعمانی ودانا پوری وغیرہ نے چار دنوں کے علاوہ دو تین دن اور پانچ دن کی مدت بھی بتائی ہے جو دلچسپ ہے)

☆ رسول اکرم ﷺ پر مرض کی شدت اور اس کا کرب طاری تھا اور اسی عالم میں آپؐ نے قلم کاغذ دوات کو طلب فرمایا۔ تمام احادیث میں بقول ابن حجر ''ادوات کتابت'' کے مختلف الفاظ نقل ہوئے ہیں جیسے ''کتاب، کتف ودواۃ، طبق ای کتف، لوح ودواۃ۔'' ان میں قلم کا ذکر کہیں نہیں ہے۔

☆ متعدد روایات صحیحین میں ''ادوات کتابت'' کا سرے سے ذکر نہیں ہے، صرف یہ فرمان نبوی ملتا ہے کہ میرے پاس آؤ یا لاؤ کہ میں تمہارے لیے کتاب لکھ دوں۔ ''ایتونی اکتب لکم، ھلموا/ھلم اکتب لکم'' جیسے جملے ہیں۔

☆ متون حدیث میں اس موعودہ کتاب نبوی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس کو ضلال کے مختلف مشتقات سے تعبیر کیا گیا ہے اور شارحین نے ''تضلوا، تضلون'' وغیرہ کے لفظی فروق سے بحث کی ہے جو نری لفظی موشگافی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی نے صحابہ کرامؓ کے گمراہ ہونے کے امکان واحتمال سے بحث نہیں کی یعنی فرمان نبویؐ میں ضلال سے کیا مراد ہے؟

☆ رسول اکرم ﷺ نے اس کتاب ہدایت میں کیا چیز یا مضمون لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کا کوئی بھی حوالہ متون میں نہیں پایا جاتا ہے۔ سب شارحین حدیث کو اس حقیقت سے اتفاق ہے کہ حتمی طور سے موضوع کتاب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

☆ شارحین حدیث نے اپنے اپنے خیال وفکر سے اور بعض دوسری احادیث نبویہ کے حوالے سے مقصد کتاب بتایا ہے۔

☆ اس معاملہ میں دو نقطہ نظر ہیں: ایک اہل سنت کا اور دوسرے اہل تشیع کا اور دونوں کا نقطہ نظر خلافت نبوی کے مسئلہ پر ان کے مسلکی اختلاف ونزاع کے ارد گھومتا ہے۔

ا۔ اہل سنت کا خیال ہے کہ آپؐ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا حتمی فرمان لکھوانا چاہتے تھے جیسا کہ بعض دوسری احادیث بخاری میں ہے کہ آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دختر اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ذریعہ ان کے بھائی اور والد ماجد کو بلایا بھی تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ فرزند اکبر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو طلب کیا تھا اور کچھ روایات میں ہے کہ ان کے فرزند اصغر حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیقؓ کو بلایا تھا۔ پھر وہ فرمان ان احادیث خاص کے مطابق نہیں لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان دونوں صرف ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر ہی راضی ہوں گے اور ان کی جگہ کسی دوسرے کو کبھی قبول نہ کریں گے۔ اہل تشیع کا خیال ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے جیسا کہ ان کا خاص عقیدہ ہے۔

بہر حال ان دونوں مقاصد حسنہ وسیئہ کا کوئی حوالہ یا عندیہ ان متون میں نہیں ملتا اور یہ ان دونوں مکاتب کا نقطہ نظر ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانے کا نظریہ اس بنا پر کمزور ہے کہ فرزندان صدیقی کے ذریعہ جس کتاب وفرمان کو لکھوانے کا آپؐ نے ارادہ فرمایا تھا وہ مختلف مواقع کی احادیث ہیں اور ان کا تعلق اس المناک جمعرات کے موقع وواقعہ سے نہیں ہے۔

اہل تشیع کے نقطہ نظر کی بے وقعتی اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے کہ ان کے عقیدے اور دعوے کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے معا بعد غدیر خم کے خطبہ میں ان کی خلافت کا اعلان فرمادیا تھا جو واقعہ قرطاس سے کئی ماہ پہلے کا مشہور واقعہ ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ اس حدیث قرطاس میں خلافت علیؓ کی صراحت فرمانا چاہتے تھے محض قیاس بلکہ پسند خاطر پر مبنی ہے، جس کی کوئی سند نہیں ہے۔ خلافت اسلامی کے بعد کے اختلافات مسلکی اور نزاعات انفرادی کے واقعات وروایات کو اس واقعہ قرطاس میں داخل کر کے بازیني (Project book) کی کوشش دونوں طرف سے ملتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے غم وغصہ اور واقعہ قرطاس کے شور وغل کے سبب نہ لکھے جانے کا سبب بعض شارحین نے خلافت کے معاملہ پر مشاجرات صحابہ میں تلاش کیا ہے۔ یہ بھی اسی طرح کی بازینی اور پس رسی ہے جس کا اوپر حوالہ آیا ہے۔ اس پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ خلافت اسلامی پر صحابہ کرامؓ میں اختلافات ومشاجرات کا معاملہ وفات نبوی کے پچیس سال کے بعد شہادت خلیفہ سوم کے نتیجہ میں پیش آیا تھا۔ اس سے قبل خلافت ابو بکر صدیقؓ کے معاملہ پر صحابہ کرامؓ بالخصوص انصار کرام کے ایک طبقہ کا اختلاف وقتی طور پر نظر آیا تھا جو در اصل صحابہ کرامؓ کی مشاورت کا معاملہ تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا وہ خلافت وخلیفہ کے انتخاب کے بارے میں مختلف تجاویز کا معاملہ تھا اور جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی تو بقیہ تجاویز ختم

ہو گئیں وہ اختلاف صحابہ تھا اور نہ مشاجرہ معاصرین۔ وہ دراصل اسلامی شوریٰ کی کارکردگی کی تفصیل ہے اور بیعت صدیق کے بعد معاملہ حتمی بن گیا۔ رہ گیا حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کا انفرادی معاملہ وخیال یا بنوعبد مناف کے بعض اکابر کا نظریہ خلافت اسے کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ خود ان طالبین حق اور دعوے داران خلافت نے بیعت ابی بکر صدیقؓ کے بعد اسے ترک کر دیا اور خلافت خلیفہ سوم تک وہ کبھی برسر عام نہیں آیا۔ (۲۸)

اس تاریخی پس منظر کے بعد اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو بعض شارحین کے خیال میں مشاجرات صحابہ کا غم کھائے جا رہا تھا اور جس کے سبب وہ آہ وزاری فرماتے تھے تو کیا انھوں نے اپنی تمام احادیث قرطاس مشاجرات کے بعد بیان کی اور پچیس سال تک ان کی ترسیل وروایت روکے رکھی تھی؟ اس کا واحد جواب نفی میں ملتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنی مرویات قرطاس کی ترسیل وفات نبوی کے بعد اور خلافت ثلاثہ کے دور ہی میں شروع کر دی تھی اور ان کی آہ وزاری کا سبب دوسرا تھا اگرچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت لینے والے تمام تابعین کرام عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سعید بن جبیر، عکرمہ، جیسے لوگ تھے۔ (۲۹)

حضرت ابن عباسؓ کی آہ وزاری اور غم وغصہ کا اصل سبب متون احادیث میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مجلس نبوی میں نزاع واختلاف نے ناگوار صورت اختیار کر کے شور وغل وچیخ وپکار لغط واختلاف، لغو بن کر رہ گئی جس سے رسول اکرم ﷺ کو تکلیف ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے خود فرمایا کہ وہ مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ ان کے اختلاف اور شور وغل کے سبب رسول اکرم ﷺ اور آپ کے ارادہ کتاب کے درمیان ایک دیوار بن کر حائل ہوگئی اور اس نے کتاب لکھوانے کا ارادہ ترک کرا دیا۔

بعض شارحین حدیث خصوصاً ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ پر اختلاف صحابہ کی مثال شب قدر کے وقت وتاریخ کی تعیین کر کے ارادہ نبوی میں تلاش کی ہے۔ رسول کریم ﷺ لیلۃ القدر کی حتمی تاریخ کا اعلان کرنے لیے باہر تشریف لائے تو دو حضرات کو لڑتے جھگڑتے دیکھا اور اس اختلاف ونزاع نے تعیین کی تاریخ بھلا دی اور وہ برکت قطعی ہمیشہ کے لیے اٹھالی گئی۔ یہ تاویل وتمثیل اچھی لگتی ہے لیکن واقعہ ومثال میں ایک جوہری فرق ہے جسے ان شارحین کرام نے کسی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔ اختلاف ونزاع شخصی کی نحوست سے شب قدر کی حتمی تاریخ کی تعیین کا جہری اعلان نہیں کیا گیا تھا جس کی اور بھی وجوہ ہیں۔ واقعہ قرطاس میں سرے سے فرمان وہدایت نامہ لکھوانے کو اٹھا لیا گیا اور طاقِ نسخ وعدم پر رکھ دیا گیا۔ اصل مقصود ہی اس میں رہ گیا۔ شب قدر کی مثال میں شب قدر اپنی جگہ تو باقی رہی صرف اسکی حتمی تعیین نہیں ہوسکی۔ بلکہ طاق راتوں میں اسکی جستجو کی ہدایت نبوی نے اس کی برکات کو اور وسیع کر دیا۔ واقعہ قرطاس میں منبع برکات ہی کو پاٹ دیا گیا اور اسکی جہات وبرکات کا کیا سوال رہ گیا۔ (۳۰)

متون احادیث صحیحین وغیرہ میں امت کے گمراہ ہونے یا صحابہ کرامؓ کے گمراہ ہونے کے بارے میں کوئی بحث نہیں ملتی ہے۔ کہ اس گمراہی سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث نے لن تضلوا / لا تضلون وغیرہ الفاظِ نبوی کی تشریح وتعبیر بالکل نہیں کی ہے۔ یہ خاصی حیرت انگیز بات ہے۔

بہرحال اس ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ کا جملہ ’حسبنا کتاب اللہ/عندکم القرآن، حسبنا کتاب اللہ‘‘ بہت اہم ہے۔ وہ امت اسلامی کی یا صحابہ کرامؓ کی گمراہی کی نوعیت بھی بتاتا ہے اور ضلالت کے معانی ومفاہیم کی تعیین وتشریح بھی کرتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک میں عام ضلالت وگمراہی کے معانی معہود تھے نہ کہ کسی خاص ضلالت کے۔ اسی بیان فاروقی سے ان کے موقف کی قطعیت اور ہدایت امت کی حتمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ بعض شارحین کرام نے قرآن کریم وکتاب اللہ کے ساتھ حدیث وسنت نبوی کو بھی اس میں مراد لیا ہے وہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کتاب اللہ سے اصل سرچشمہ ہدایت کی بات کررہے تھے اور اسی سے سنت وحدیث کے سوتے بھی پھوٹتے ہیں۔ بلاشبہ قرآن اور کتاب اللہ اپنے وسیع معانی میں ضلالت وگمراہی کے خلاف سدِ ذوالقرنین بن جاتا ہے اور وہی صحابہ کرامؓ اور بعد کی امت اسلامی کو ضلالت سے بچانے کا نسخۂ کیمیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس قسم کا کلام (ہذیان یا بے فائدہ وغیر مربوط کلام) نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے صحت ومرض دونوں حالتوں میں محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ آپ خواہش نفس سے کلام نہیں فرماتے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ (۳۱)

اور خود آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں حالت غضب ورضا دونوں میں صرف حق کہتا ہوں:

”انی لا اقول فی الغضب والرضا الا حقا“ (۳۲)

اس کا واضح مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ بقائمی ہوش وحواس فرمارہے تھے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے دونوں طبقات خاص کر حضرت عمرؓ کے موافق لوگوں کے بیانات کی تشریح کی ہے اور تین احتمالات کا ذکر کرکے تیسرے کے احتمال کو ترجیح دی ہے جو امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ان حضرات کا خیال تھا کہ آپؐ حالت تکلیف میں ہیں لہذا تکلیف نہ دی جائے۔ یہ الفاظ وارشاد طلب کتاب دراصل تکلیف وکرب کے عالم میں نکلے ہیں۔

’’ھجر، یھجر‘‘ کے بارے میں ابن سعد کی روایت کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے کہ نبی ﷺ ’’ہجر‘‘ فرمارہے تھے۔ بہرحال صحابہ کرامؓ کا یہ جملہ کہ آپؐ سے اس معاملہ کو صاف کرلیا جائے: ’’استفھموہ‘‘ اسکی تائید کرتا ہے اور صحابہ کرامؓ کے استفسار حال اور عزم نبویؐ کے اختیار کا موقف بتاتا ہے۔ ہذیان کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہاں صرف یہ شبہ تھا کہ بے اختیار کلمات جاری ہیں لہذا ان کی تصدیق کرلی جائے۔ عربی زبان میں ہجر کے معنی صرف ہذیان کے نہیں ہیں۔ نیند یا مرض میں بے اختیار کلام کرنے کے معنی میں بھی آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نیند میں تو ہذیان یا بے ربط کلام ہونے کا سوال نہیں اٹھتا۔ وہ دراصل بے اختیاری کا کلام ہے جو نیند کے غلبہ اور مرض کی شدت میں منہ سے نکلتا ہے۔

تنازع وتشاجر صحابہ کرامؓ کے بارے میں روزوں (صیام) کے باب وکتاب میں لیلۃ القدر کے اختلاف صحابہ کرامؓ کا حوالہ دیا ہے کہ ان کے اختلاف کے سبب اس کی تعیین قطعی اٹھالی گئی۔ بہرحال امام مازری رحمہ اللہ کا یہ خیال صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ایسے معاملات میں اختلاف جائز تھا کیونکہ وہ اپنے اپنے اجتہاد میں اختلاف کررہے تھے اور رسول اکرم ﷺ سے قطعی حکم چاہتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قول حضرت عمرؓ: ''حسبنا کتاب اللہ'' ان کی فقہی قوت اور دقتِ نظر کا ثبوت ہے۔ کیونکہ ان کو خدشہ تھا کہ آپؐ ایسے امور لکھ دیں جن کی تعمیل سے لوگ عاجز رہیں اور ان کے منصوص ہونے کے سبب سزا و عقاب کے مستحق بنیں۔ ان کا یہ بھی ارادہ تھا کہ علماء پر اجتہاد کا دروازہ بند نہ کیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے ان (حضرت عمرؓ) پر کسی قسم کی نکیر نہیں کی جو اس بات کا اشارہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کی رائے کی تصویب کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے فرمان الٰہی:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (۳۳)

کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کا بہرحال احتمال ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی شدتِ کرب دیکھ کر آپؐ کے لیے تکلیف دور کرنے (تخفیف) کا ارادہ کیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ بعض عظیم شارحین کرام اور ان کے ہمنوا بعض جدید اہل علم نے حضرت عمرؓ کے قول عظیم ''حسبنا کتاب اللہ'' کی فقہی قوت اور دقتِ نظر کی وجہ سے بحث کی ہے اور اس کے دو پہلو یا جہات ہیں جو قابل بحث ہیں۔ انہوں نے اپنے قیاس سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو خدشہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ ایسے امور لکھ دیں جن سے صحابہ کرامؓ اور امت اسلامی بالعموم عاجز ہو جائیں اور منصوص حکم چھوڑنے کے سبب سزا اور عقاب کے مستحق بنیں۔ یہ بالکل قابل رد ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں منصوص تو یہ ہے کہ آپؐ ہمیشہ دو کاموں یا اختیاروں میں سے آسان (ایسر) کا انتخاب کرتے تھے۔ امت مرحومہ کی آسانی اور راحت کے لیے بہت سے اعمال خیر جیسے نماز تراویح نفل روزے اذکار اور ادعیہ وغیرہ چھوڑ دیئے اور ان کی وجہ بتائی کہ مبادہ وہ فرض نہ کر دیے جائیں۔ دینی شدت پسندی کی ہمیشہ مخالفت کی، ہمیشہ توازن و اعتدال کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل فرمایا۔ دین کو آسان بتایا اور اس آسانی کی ایسی ایسی صورتیں پیدا کیں کہ آپؐ سراپا رحمت بن گئے لہذا یہ قیاس و خیال کرنا کہ آپ کتاب معہود میں مشکل اور عاجز کرنے والے احکام منصوص فرما دیتے آپؐ کے ساتھ قطعی حسن ظن نہیں اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے محدث امت کے خیال و خواب میں بھی یہ خدشہ نہیں گزرا تھا۔ یہ صرف سوئے تعلیل ہے۔ (۳۴)

اجتہاد کا دروازہ امت پر بند کرنے کا خیالِ شارحین دوسرا پہلو ہے کہ اس کتاب منصوص سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو جاتا یہ ایسی نادر تعلیل اور کمیاب توجیہ ہے جس کو دور کی کوڑی لانے کے مترادف کہا جا سکتا ہے۔ اس صحیفہ سے باب اجتہاد کیوں اور کیسے بند ہو جاتا؟ کس کو کیا معلوم تھا کہ آپؐ اس میں کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ پھر قیاس بھی کر لیا جائے تو اجتہاد امت و علماء صرف ایک یا چند امور تک محدود نہیں۔ بقول بعض ائمہ کرام اجتہاد کے ابواب تو بیکراں اور ان گنت ہیں اور ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ صرف ایک کتاب نبوی سے وہ کیسے بند ہو سکتے تھے جبکہ عظیم قرآن کریم اور وسیع حدیث نبوی کے باوجود وہ چوپٹ کھلے رہے تھے حضرت عمر فاروقؓ کی طرف اس خدشہ کی نسبت بھی غلط ہے اور وہ بات اور توجیہ بھی غلط ہے۔ ''حسبنا کتاب اللہ'' کا یہ مفہوم ہے کہ کتاب و سنت کی ہدایت وسیع کی روشنی میں صحابہ کرامؓ اولاً اور امت اسلامی بعد میں اپنے معاملات کو سلجھا لے گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہدایت کے لیے کافی ہونے کا ادراک وشعور رسول اکرم ﷺ سے زیادہ اور کس کو تھا اور آپؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اور دوسرے متعدد مواقع پر ان ہی کو نسخہ ہدایت بتایا تھا پھر آپؐ نے خاص مرض الوفات کے اس کربناک لمحہ میں ایسی کتاب لکھوانے کا ارادہ کیوں فرمایا جو آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ اور امت اسلامی کو ضلالت وگمراہی سے بچالیتی؟ اور وہ صرف ایک کتاب مختصر کیونکر بچاسکتی تھی؟ اس سوال کا جواب شارحین کرام میں سے کسی نے نہیں دیا ہے اور نہ متون احادیث میں ان کا کوئی ذکر وحوالہ ہی ملتا ہے۔ اور جو ملتا ہے وہ حضرت عمر فاروقؓ بلکہ فاروق اعظمؓ کا اعلان قرآن وکتاب اللہ ملتا ہے کہ وہی اصل نسخہ ہدایت ہے۔ اس پر کچھ مزید بحث بعد میں آتی ہے۔

صحیفہ وکتاب یعنی ادوات کتابت طلب فرمانے کے حکم نبوی کے ردعمل میں صحابہ کرامؓ کا ردعمل اور موقف مختلف ملتا ہے بعض مرویات حضرت ابن عباسؓ میں صرف صحابہ کرامؓ کے تنازع واختلاف کا ذکر ہے جو مجلس نبوی میں ناپسندیدہ سمجھا گیا۔ دوسری روایات میں بعض صحابہ کرامؓ کے زبان وقول کے الفاظ میں ''ہجر'' کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں بھی دو قسم کی روایات ہیں۔ کسی میں ''ہجر'' بیانی ہے اور کسی میں ''أھجر''؟ استفہامی ہے۔ شارحین کرام نے اس پر بحث نہیں کی ہے کہ ایک ہی صحابی جلیل کی مرویات میں ان کے مختلف رواۃ نے یہ فرق لفظی ومعنوی کیا ہے یا خود صحابی جلیلؓ کے بار بار ترسیل وروایت کے سبب وہ در آیا ہے متعدد شارحین جیسے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ وغیرہ نے دونوں کو استفہام انکاری کے معنی میں لے کر بات برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہر حال صحابہ کرامؓ کے موقف وردعمل کا معاملہ واضح ہے کہ وہ کسی طور سے اسے لفظی ہذیان کے معنی میں نہیں لے رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ہمنوا صحابہ کرامؓ کے موقف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اسے شدت کرب کے تحت بے اختیارانہ کلمات سمجھ رہے تھے، بالعموم دیکھا گیا ہے کہ حالت مرض بالخصوص حال بیہوشی وغشی میں انسان کی زبان سے اس چیز کے بارے میں بار بار کلمات والفاظ نکلتے ہیں جن کا خیال وفکر اس کے قلب ودماغ پر مستولی ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے قلب مبارک اور ذہن حساس پر اپنی امت کی ہدایت پر گامزنی اور ضلالت سے حفاظت کا خیال ہمیشہ چھایا رہا جس کا اظہار آپؐ بار بار فرماتے تھے۔ اس موقعہ پر اسی غلبہ وجع وتکلیف میں وہ خیال مبارک بار بار زبان مبارک پر آرہا تھا جس کا مقصود حضرت عمر فاروقؓ نے سمجھ لیا تھا۔

جن صحابہ کرامؓ کو رسول اکرم ﷺ کے بار بار فرمان وطلب کتاب کے جملوں سے بے اختیار کلمات کا خیال ہوا انہوں نے بحث ومباحثہ اور نزاع کے دوران رسول کریم ﷺ سے اچھی طرح سمجھ لینے اور پوچھ گچھ کر لینے کا خیال ظاہر کیا متون حدیث میں اسے ''استفھموہ'' کے معنی خیز جملہ سے ادا کیا گیا ہے کہ آپؐ سے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ بعض متون میں یہ بھی وضاحت ملتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے دوبارہ وضاحت چاہی اور طلب ادوات کتابت کی بات کہی تو آپؐ نے گریز فرمایا۔

طلب صحیفہ وادوات کتابت پر صحابہ کرامؓ کے دو طبقات ہو گئے تھے۔ ایک طبقہ اسے غلبہ وشدت کرب کے زیر اثر تکرار الفاظ وکلمات اور اظہار فکر وخیال سمجھ رہا تھا جس میں حضرت عمر فاروقؓ شامل تھے اور وہ اس کی تعمیل ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرا طبقہ

فرمان وارشادنبوی کی تعمیل ضروری سمجھتا تھا کہ آپؐ کے ارشاد کا قانونی پہلو کوئی ہو اس کی تعمیل ضرور کرنی چاہیے۔ اس بحث ومباحثہ میں آوازیں بلند ہوگئیں اور شوروغل برپا ہوگیا جو یوں بھی طبع نازک پر گراں تھا اور اس عالم کرب میں ناگوارتر ثابت ہوا اس لیے آپؐ نے ان سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ دوسرے متون کے دو نسبت کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تعمیل ارشاد کی وضاحت طلبی کے بعد بھی آپؐ نے دوات وصحیفہ نہیں طلب کیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ اور احادیث قرطاس کے متعدد شارحین کرام نے ہی اس نزاع کو غلط قرار دیا ہے خاص طور سے ان کے کثرت تنازع اور کثرت لغوکو۔ اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اختلاف غلط تھا یا اس کا انداز؟ اختلاف وتنازع صحابہ کرامؓ پر شارحین کرام نے یہ لکھا ہے کہ وہ ناپسندیدہ نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق ان معاملات سے ہے جن میں صحابہ کرامؓ رسول اکرم ﷺ سے بحث ومباحثہ اور اختلاف کیا کرتے تھے۔ وہ فرامین وارشادات نبوی کی روح اور اس کی اقسام جانتے تھے۔ بہت سے معاملات وارشادات نبوی رسول اکرم ﷺ کے اجتہادات سے تھے اور ان میں وہ مشورے دیتے اور اختلاف کرتے تھے صحبت نبوی کے طویل اور عمیق فیض سے اور قرآن وسنت کے گہرے مطالعے سے وہ ان ارشادات نبوی کی اقسام جان گئے تھے لہذا ان کا یہ جملہ یا فقرہ ''استفہموہ'' ان کے اختلاف کی نوعیت کو بھی اجاگر کرتا ہے اور شارحین نے اس پر کافی زور دیا ہے۔

انہوں نے غزوہ بنی قریظہ کے موقعہ پر رسول اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کہ بنوقریظہ میں پہنچنے سے قبل کوئی نماز عصر نہ پڑھے پر صحابہ کرامؓ کے اختلاف کے مانند اسے بتایا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے ظاہر پر عمل کیا اور بعض نے اصل مقصد جان کر نماز وقت پر پڑھ لی اور رسول اکرم ﷺ نے دونوں مسالک صحابہ کرامؓ کی تصویب کی تھی اور کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا تھا۔ اس مثال میں موقعہ ومحل کا ایک اہم فرق ہے۔ جس کی طرف شارحین کرام نے دھیان نہیں دیا۔ بنوقریظہ میں نماز عصر پر ہے کے ارشاد نبوی پر اختلاف صحابہ کرامؓ کی عدم موجودگی میں ہوا تھا۔ وہ بروقت استصواب کرنے کی حالت میں نہیں تھے لہذا ان میں ان کے اجتہاد کے سبب اختلاف ہوا۔ واقعہ قرطاس کے موقعہ پر دونوں طبقات صحابہ مجلس نبوی میں موجود تھے۔ اور وہ بروقت استصواب کر سکتے تھے اور انہوں نے کیا بھی۔ اس خاص مسئلہ میں مجلس نبوی کی مشاورت صحابہ کرامؓ کی مثال دینی چاہیے اور اس کی مثالیں بہت سی ہیں جیسے بدر واحد اور خندق وغیرہ کے موقعہ میں مشاورت صحابہ کرامؓ۔ تمام شارحین کرام نے حدیث قرطاس میں ادوات کتابت لانے کے حکم نبوی کو امر واجب نہیں مانا ہے۔

سب کا اس پر اتفاق تھا کہ وہ اسے رسول اکرم ﷺ کا ایک اجتہادی امر سمجھتے تھے جس کی تعمیل واجب نہ تھی۔ متون حدیث میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے اور اس سے شارحین کرام نے اپنے خیال وفکر کو مستند ومستحکم کیا ہے۔ ان کی یہ دلیل بہت قوی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ حکم وفات سے چار دن قبل دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے نزاع کے بعد ہی رسول اکرم ﷺ سے اس معاملہ کو دوبارہ پیش کیا تو آپؐ نے اس سے اعراض فرمالیا اور طلب کاغذ پر اصرار نہیں کیا۔ پھر چار دن تک آپؐ سلامت با کرامت رہے اور آپؐ

نے کتاب ہدایت وصحیفہ ارشادنہیں لکھوایا۔اس کا مطلب یہ واضح ہے کہ وہ امر واجب نہیں تھا اور اجتہاد پر مبنی تھا۔وہ وحی الٰہی پر بھی مبنی نہیں تھا ورنہ آپؐ اسے اختلاف ونزاع صحابہ کرامؓ کے باوجود لکھواتے کیونکہ آپ مبلغ پر مامور تھے۔اسکے لیے انہوں نے آیات قرآنی سے استشہاد کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دلیل بھی دی ہے کہ ہر تبلیغ کے معاملے میں مخالفت کرنے والوں کی مخالفت واختلاف کے باوجود آپؐ نے تبلیغ جاری رکھی تھی۔تبلیغ سے صرف اسلام کی طرف دعوت ہی مراد نہیں بلکہ احکام الٰہی اور وحی کی ترسیل مراد ہے۔اس صحیفہ نبوی کے بارے میں جن لوگوں نے آیت قرآنی:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (۳۵)

سے استدلال کیا ہے اسے غلط بتایا ہے۔البتہ حافظ ابن حجر کا اس سے استدلال اور دوسری حدیث کہ میں ہر حال میں حق کہتا ہوں سے استدلال صحیح ہے کہ وہ ہجر(ہذیان) ہرگز نہیں تھا۔

متعدد شارحین حدیث نے اس حقیقت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس عمل سے حضرت عمر فاروقؓ اوران کے حامی وہمنوا اصحابہ کرامؓ کے موقف کی درپردہ یا علانیہ تصدیق وتائید کردی تھی۔جن شارحین کرام نے حضرت عمر فاروقؓ پر کتاب نبوی لکھے جانے کی راہ میں مزاحمت کرنے کا الزام لگایا ہےان کی تردید بھی کی ہے۔ان کا یہ استدلال بھی بہت مضبوط اور مستحکم ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اکرم ﷺ کی شدت کرب کی بنا پر آپ کی محبت بیکراں اور خیر خواہی ناپیدا کنار کی بنا پر صحیفہ وکتاب کی کتابت کی زحمت سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ان کے حدیث ابن عباسؓ کی صحیحین کی ترسیلات میں جملے غلبہ الوجع وغیرہ بھی اسی محبت وخیالِ خاطر کا اظہار کرتے ہیں۔دوسرے صحابہ کرامؓ بھی اسی سے متفق تھے۔ان کا اختلاف بس یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ جو کچھ فرمارہے ہیں اسکی بہمہ وجوہ تعمیل کی جائے۔خدانخواستہ اس میں سے کسی کو ہجر(ہذیان) کے خیال کا شائبہ بھی نہیں تھا کہ وہ مزاج نبوت سے پوری طرح آشنا تھے۔

روایات سیرت کا درایتی تجزیہ:

تمام شارحین حدیث اور سیرت نگاروں اور دوسرے اہل علم وبصیرت نے مآخذ سیرت کی روایات قرطاس کو دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کیا ہے لہذا ان کا روایتی اور درایتی تجزیہ کرنے کا مرحلہ ہی نہیں آیا۔بہت سوں کو تو ان کی خبر بھی نہیں۔حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسے جامع شرح وبسط نے ابن سعد رحمہ اللہ کا حوالہ بھی دیا ہے تو صرف حدیث کے ایک آدھ فقرہ کے اختلاف کے بارے میں بہرحال ان کا روایتی تجزیہ وتحلیل شروع میں کیا گیا ہےاور درایتی تجزیہ کے بہت سے نکات مشترک ہونے کے سبب احادیث قرطاس کے ضمن میں از خود آگئے ہیں۔اس مقام پر صرف ان خاص عطایا، نکات، اضافات اور معلومات سے مختصر بحث کی جارہی ہے جو ان میں بھی ہیں۔ان روایات سیرت میں بھی صرف امام ابن سعد رحمہ اللہ کی روایات واحادیث سے بحث کی جائے گی کیونکہ بقیہ کے ہاں روایات مختصر ہیں۔یا صحاح/کتب حدیث کی احادیث ابن عباس نقل کردی گئی ہیں۔احادیث ابن

سعد رحمہ اللہ کے بارے میں جیسا کہ اوپر کہا گیا دو قسم کی ہیں؛

ایک ابن سعد رحمہ اللہ کی خاص سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور دوسری دوسرے صحابہ کرامؓ پر ختم ہوتی ہیں۔

ابن عباسؓ کی حدیث ابن سعد، اول میں یہ دلچسپ اضافہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے اس قول کہ نبی اللہ حالت بیماری میں کچھ فرما رہے ہیں۔ یہ دلچسپ اضافہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے بعد میں عرض کیا گیا کہ آپؐ نے جو کچھ طلب فرمایا تھا وہ ہم کیا لے آئیں۔

''الانأتيك بما طلبت''، لیکن آپؐ نے اس کو نہیں طلب فرمایا۔

اسی طرح دوسری حدیث ابن سعد رحمہ اللہ میں بھی صحابہ کرامؓ کے بارے میں صراحت ملتی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے اعادہ کے طالب ہوئے۔

''فذهبوا يعيدون عليه''

مگر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو تنہا چھوڑ دینے کو فرمایا: ''دعونی ......الخ''۔ اگر چہ مرویات صحیحین میں بھی اسی قسم کے بعض جملے وفقرے ملتے ہیں لیکن مرویات ابن سعد رحمہ اللہ میں صراحت زیادہ ہے۔ بعض روایات ابن سعد رحمہ اللہ صحیحین کی روایات واحادیث کے مماثل ہیں لیکن ان میں بعض خاص تعبیرات بھی ہیں لیکن ان کے نئے معانی اور کچھ نہیں ہیں۔ صحیحین کی احادیث ابن عباسؓ سے امام ابن سعد رحمہ اللہ کی احادیث قرطاس کی مماثلت سے ان کو استناد واعتبار ملتا ہے۔

ابن سعد رحمہ اللہ کی حضرت ابن عباسؓ سے اپنے استاد گرامی واقدی کی سند سے ایک روایت بہت اہم ہے۔ وہ ان کی کتاب کی آخری روایت ہے اور اس میں کئی نئی معلومات ہیں اور ان کی تشریح بہت سے عقدے کھول سکتی ہے۔:

اول رسول اکرم ﷺ کے طلب دواۃ وصحیفہ کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں مدائن روم (رومی شہروں) میں سے فلاں فلاں کے بارے میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو فتح کرنے سے قبل رسول اکرم ﷺ وفات پانے والے نہیں ہیں۔ اور اگر آپؐ وفات پا گئے تو بھی ہم آپ کا اسی طرح انتظار کریں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کا انتظار کیا تھا حضرت عمرؓ کے اس بیان میں وہ تاریخی تلمیح بھی ہے جس کا ذکر دوسری احادیث میں ملتا ہے خاص کر وفات نبوی کے بعد حضرت عمرؓ کے قول میں جب وہ ہاتھ میں تلوار سونتے ہوئے اعلان فرماتے پھر رہے تھے کہ جس نے وفات نبوی کا ذکر و اعلان کیا اسکی گردن اڑا دیں گے کیونکہ رسول اکرم ﷺ اپنے رب کے پاس ویسی ہی ہدایت لینے گئے ہیں جیسی حضرت موسیٰ ہدایات ربانی کوہ طور پر لینے گئے تھے۔ وہ ان کا صرف فرط غضب اور صدمہ واندوہ سے عالم خود فراموشی کا معاملہ نہیں تھا جیسا کہ بیشتر بلکہ تمام ہی شارحین نے سمجھا ہے وہ حضرت عائشہؓ کی حدیث وتفہیم حدیث کے مطابق حضرت عمرؓ کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا جس کے ذریعہ وہ منافقین کی سازشوں کا توڑ کرنا چاہتے تھے۔ حدیث بخاری: ۴۹۶۹-۴۹۷۰ کے حوالے سے خاکسار اور راقم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ بعض شارحین حدیث نے موقف عمرؓ کے حوالے سے منافقین کے طعن کی کاٹ کرنے کی بات کہی ہے اور اسکی یہ تشریح دل لگتی بھی ہے کہ عالم کرب اور حالت غشی میں لکھوائے گئے صحیفے کے بارے میں منافقین زبان طعن دراز کر سکتے تھے۔(۳۶)

دوم مدائن روم کی فتح کا حوالہ قول حضرت عمرؓ میں بہت اہم ہے کہ انہوں نے ان کی فتح کا کیوں ذکر فرمایا تھا؟ اسکا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی چٹان توڑتے ہوئے اور بعض دوسرے مواقع پر ان کے فتح اسلامی کی پیشگوئیاں کی تھیں۔ ان ارشادات اور پیشگوئیوں کا مفہوم یہ بھی تھا کہ صحابہ کرامؓ اس وقت تک گمراہی وضلالت میں نہ بھٹکیں گے۔

سوم وفات نبوی ہو جانے کے بعد بھی آپؐ کا انتظار کرنے کا اعلان فاروقی بھی یہ بتاتا ہے کہ بنو اسرائیل کے بعض طبقات اگرچہ انحراف کر گئے تھے لیکن حضرت ہارونؑ اور صحیح اہل ایمان وصحابۂ موسیٰؑ تو صحیح راستہ پر قائم رہے تھے۔ انتظارِ نبیؐ کا اور کیا مفہوم ہے؟

حضرت عمرؓ کی اس حدیث میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے دن کا تھا کیونکہ اس میں یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان صحابہ کو جب باہر کر دیا تو ان کے جاتے ہی آپؐ کی وفات ہو گئی اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے صرف جمعرات کو ہی نہیں بلکہ دوشنبہ کو بھی صحیفہ لکھوانا چاہا تھا۔

ششم ابن سعد رحمہ اللہ کی امام واقدی رحمہ اللہ کی سند سے حضرت عمرؓ کی روایت بعض نئی جہات پیش کرتی ہے:

۱۔ اس میں یہ واضح ذکر ملتا ہے کہ اسی حجرہ نبوی میں ازواج مطہرات اور غالباً کچھ دوسری خواتین موجود تھیں اور ان کے لیے ''النساء'' کا عام لفظ آیا ہے۔ اور مردوں اور عورتوں کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کی شاہد تھیں.

۲۔ ازواج مطہرات میں متعدد نے یا سب نے صحابہ کرامؓ سے رسول اکرم ﷺ کی حاجت پوری کرنے کو کہا تھا۔ یہ صرف روایات سیرت اور احادیث ابن سعد میں موجود ہے۔ صحیحین کی مرویاتِ ابن عباسؓ میں ازواج مطہرات کا حوالہ سرے سے نہیں ملتا جو بقول شبلی خاص خصوصیات کے ترک کے مترادف ہے۔ آخری حدیث ابن سعد رحمہ اللہ میں حضرت زینبؓ کے مطالبہ تعمیل کا بھی واضح ذکر ملتا ہے۔

۳۔ رسول اکرم ﷺ نے اس موقعہ پر دو مطالبات یا حاجات کا ذکر فرمایا تھا: اول سات مشکیزوں سے آپؐ کو غسل دیا جائے اور دوم آپؐ کے پاس ایک صحیفہ و دوات لائی جائے تا کہ آپؐ ان کے لیے ایک کتاب لکھ دیں۔

متعدد دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو سات مشکیزوں کے پانی سے نہلایا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ آپؐ کو شدید بخار تھا اور اس کی حدت وشدت کم کرنے کے لیے اتنے کثیر پانی کی ضرورت تھی۔ اسی کی احادیث صحیحین میں بھی ہیں۔(۳۷)

غسل کے لیے پانی لانے اور اسی کے ساتھ کتاب لکھوانے کے سامان لانے کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا تھا۔ ازواج مطہرات کے تعمیل ارشاد پر حضرت عمرؓ کا سخت موقف بھی ملتا ہے۔ انہوں نے ازواج مطہرات سے کہا تھا کہ تم رسول اکرم ﷺ کی صواحب ہو لہذا خاموش رہو۔ کیونکہ جب آپؐ بیمار ہوئے تو تم خوب روتی ہو اور جب آپ صحتمند ہوتے ہیں تو تم سب ان کی گردن پکڑتی ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے ازواج مطہرات کو صحابہ کرامؓ سے بہتر قرار دیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے جواب وردعمل پر نکیر نہیں کی۔

اس قول عمر فاروقؓ میں ''صواحب'' کے معنی ولفظ دونوں خاص ہیں۔ ان کی تشریح خود رسول اکرم ﷺ کے الفاظ مبارک سے ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ وغیرہ نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جگہ حضرت عمرؓ کو امام نماز بنانے کی درخواست کی تھی تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے لیے صواحب ہی نہیں ''صواحب یوسف'' کا لفظ وتعبیر استعمال فرمائے تھے۔ اس کے اور بھی استعمالات نبوی حدیث میں ملتے ہیں۔ گردن پکڑنے کا حوالہ یا تلمیح غالباً واقعہ ایلاء کے سبب کی طرف ہے جب ازواج مطہرات نے کشادگی نفقہ کے لیے اصرار کیا تھا۔ بہرحال سات مشکیزوں کے نہلانے کے بعد دوسرے حکم کی تعمیل میں توقف کا اظہار صرف معاملات کو سمجھ لینے کی خاطر کیا گیا تھا۔ (۳۸)

ابن سعد کی حدیث جابرؓ اور بلاذری کی دونوں روایات ابن عباسؓ و جابرؓ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے شور وغل اور اختلاف ومباحثہ کی شدت کے بعد صحیفہ وکتاب لکھوانے کا ارادہ ہی ترک کر دیا اور پھر کچھ نہیں لکھوایا۔ یہ روایات بالواسطہ صحیحین کی روایات ابن عباسؓ کی توثیق وتائید کرتی ہیں اور ان کو شاہد/شواہد کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

حضرت علیؓ کی سند سے مروی حضرت امام ابن سعد رحمہ اللہ کی حدیث بہت ہی نئی ہے اور متعدد جہات رکھتی ہے۔

۱۔ رسول اکرم ﷺ بقول حضرت علیؓ ان سے شدت بیماری کے زمانے میں طبق/لوح طلب فرمائی۔

۲۔ حضرت علیؓ کو خدشہ ہوا کہ وہ طبق/لوح لینے جائیں اور اس سے پہلے ہی روح نبوی پرواز کر جائے۔

۳۔ لہذا حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں صحیفہ کا ایک ذراع کو محفوظ کیے ہوئے ہوں۔

۴۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ کا سر اقدس حضرت علیؓ کے بازوؤں اور ہاتھوں کے درمیان تھا۔

۵۔ اسی حالت میں رسول اکرم ﷺ نے نماز، زکوۃ اور باندیوں (وما ملکت ایمانکم) کے بارے میں وصیت کرنی شروع کر دی۔

۶۔ اسی طرح آپؐ کا نفس ختم ہو گیا/مر گیا (فاظت) اور آپؐ نے کلمہ شہادت کا حکم دیا اور آپؐ کا نفس مبارک مطمئن ہو گیا اور فرمایا کہ جس نے ان دونوں کی شہادت دی اس نے اپنے اوپر آگ حرام کر لی یا اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ حرام کر دی۔

۷۔ ان تمام بیانات یا جہات حدیث حضرت علیؓ کی تصدیق متعدد دوسری احادیث سے ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ان ہی بنیادی عقائد وایمانیات اور ارکان واعمال کی وصیت اس موعودہ صحیفہ میں بھی کرنا

چاہتے تھے۔

جدید سیرت نگاروں میں سوائے شبلی نعمانی رحمہ اللہ کے اور کسی نے نئی بات یا نئی توجیہ نہیں کی ہے صرف دوسروں کی توجیہات دہرادی ہیں۔ البتہ ان کی زبان و بیان میں بعض باتیں ایسی ہیں جن پر مختصر بحث ضروری لگتی ہے۔ فکر شبلی کا تجزیہ پہلے کیا جارہا ہے۔

روایتی نقد احادیث قرطاس میں شبلی نعمانی رحمہ اللہ کے بعض اصولی مباحث کا تذکرہ و تجزیہ آچکا ہے۔ یہاں ان کا کلی تجزیہ پیش ہے۔

شبلی نعمانی رحمہ اللہ کا یہ نقد صحیح ہے کہ صحیحین کی مرویات قرطاس صرف ایک صحابی سے مروی ہیں جبکہ واقعہ کے وقت بہت سے صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ لیکن یہ کوئی اصول نقد نہیں ہے۔ متعدد احکام و معاملات اور واقعات صرف ایک صحابی سے منقول ہیں لیکن ان پر کسی نے شبہ نہیں کیا اور نہ کیا جانا چاہیے۔ خبر واحد کی اسی حیثیت کے سبب اس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی مجلس نبوی میں غیر موجودگی اور کسی دوسرے صحابی سے ان احادیث کی سماعت اور ان کی کم عمری پر بحث شبلی بھی صحیح نہیں ہے۔ مراسیل صحابہ ہمیشہ اور سب کے نزدیک معتبر ہیں اور حضرت ابن عباسؓ تو درجہ مراہق میں تھے اور بقول شبلی ۱۳-۱۴ سال کے تھے۔ صحاح اور دوسری کتب میں پانچ سات سال کی عمر کے صحابہ کی روایات کو تسلیم کیا گیا ہے ورنہ حضرات عبداللہ بن زبیرؓ، مروان بن حکم، مسور بن مخرمہؓ، نعمان بن بشیرؓ جیسے دس دس سالہ نوخیز صحابہ کرامؓ اور ان سے زیادہ کم سن حضرات حسنینؓ، محمود بن ربیعؓ اور متعدد دوسرے صحابہ کرامؓ کی روایات قابل اعتماد نہیں رہیں گی۔

شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اگر ابن سعد رحمہ اللہ کی روایات و احادیث اور دوسرے مورخین کی روایات سے اعتنا کیا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ مرویات قرطاس متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی و منقول ہیں۔

درایتی نقدِ شبلی میں یہ نکتہ قابل توجہ و لائق تحسین ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں بھی اختلال حواس کا کوئی قرینہ نہیں ملتا، صرف دوات و قلم لانے کے معمول کے حکم سے صحابہ کرامؓ کو ہجر یا ہذیان کا خیال کیسے پیدا ہوگیا۔ اسی طرح مولانا مرحوم کا یہ نقد بھی صحیح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مرویات قرطاس میں واقعہ کی ضروری خصوصیات چھوڑ دی گئی ہیں اور صرف اسی میں نہیں بالعموم رواۃ کرام بعض اہم چیزیں چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی سند مکررات بخاری و مسلم میں ملتی ہے۔ الفاروق میں مولانا مرحوم کا یہ بیان کہ "بخاری و مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہیں رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے" آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی تمام تشریح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ پیشروؤں سے ماخوذ ہے اس لیے بلا نقد صحیح ہے لیکن ان کا یہ بیان کہ حضرت ابن عباسؓ نے مشاجرات صحابہ کرامؓ کو دیکھ کر آہ و زاری کی اور ان کو خیال ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت

ایسی بات لکھوا دیتے جس سے صحابہ کرامؓ میں اختلافات نہ ہوتے خالص ان کے قیاس پر مبنی ہے اور آرزوئے محض ہے۔اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کی مجموعی تعلیمات کے باوجود اختلافات پیدا ہوئے تو کیا ایک کتاب سے وہ بند ہو جاتے دوسرے وہ مشاجرات ہوں یا عام اختلافات ان کی پیدائش لازمی تھی کیونکہ ان کا تعلق اجتہادی امور اور تعبیر کتاب سے تھا اور ان کی حد بندی کسی طرح ممکن نہیں تھی۔ پھر اختلافات ومشاجرات کے بارے میں یہ کیسے خیال پیدا ہو گیا کہ وہ خراب تھے۔ان میں خیر بھی تھا جس کا ذکر اواخر میں آتا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کا یہ تجزیہ و وضاحت بہت عمدہ ہے کہ حکم نبوی کے مخاطب صرف حضرت عمرؓ نہ تھے بلکہ حجرہ نبوی میں موجود تمام صحابہ کرامؓ تھے اور ان میں حضرات عباسؓ وعلیؓ بھی تھے اور وہ بھی ادوات کتابت نہیں لائے جس کا مطلب ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق تھے۔ مولانا مرحوم نے واقعہ قرطاس میں صحابہ کرامؓ کی عدم تعمیل کی مثال صلحنامہ حدیبیہ میں حضرت علیؓ کی فقرہ ''رسول اللہ'' مٹانے سے انکار میں تلاش کی ہے اور خوب کی ہے مگر اس کو معصیت قرار دینا صحیح نہیں جیسے واقعہ قرطاس میں عدم تعمیل صحابہ کرامؓ معصیت نہیں تھی کہ امر نبوی وجوب کا حکم نہیں رکھتا تھا صلحنامہ کی کتابت میں بھی امر نبوی واجب نہ تھا۔

پیغمبر انسانیت کے مؤلف مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی نے واقعہ قرطاس میں کتاب لکھنے کے ارادے کو ترک کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ترکِ جمہوریت کا اصول توڑنا پسند نہیں کیا۔ مولانا مرحوم کے ذہن وقلم پر مسئلہ خلافت حاوی ہے اور اسی کے پس منظر میں انہوں نے لکھا ہے۔ یہی دوسرے متعدد بلکہ بیشتر اہل قلم اور سنی وشیعی اکابر کا خیال بھی ہے۔اسی لیے ان میں مشاجرات صحابہ کرامؓ اور اختلافات سیاسی اور اصول سیاسی کا حوالہ برابر آتا ہے۔ بنیادی طور سے کتاب معہود نبوی کا تعلق کسی طرح مسئلہ خلافت سے نہیں تھا۔

صوفی فکر وفلسفہ میں واقعہ قرطاس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی بحث اگر چہ پیشرو شارحین حدیث سے بعض اقوال وآراء اور آیات واحادیث کے استدلال میں مستعار ومستفاد ہے مگر ان کے مقدماتِ ستہ بہت جاندار معنی خیز اور مسئلہ کو سلجھانے والے ہیں۔ان میں سے بعض سے بالخصوص بعض تاریخی مثالوں کے بیان وشرح سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے کہ حرف آخر تک تو صرف حرف الٰہی اور حرف نبوی ہے۔ بقیہ بقول امام اعظم سب مردان کار تھے اور ہم بھی مردان کار ہیں اور ان کے اور اپنے اقوال وآراء اور انکار میں آزاد ہونے کے ساتھ کتاب وسنت کے پابند ہیں۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ کے چھ مقدمات: تمام منطوقات نبوی وحی نہیں ہوتے تھے، اجتہادی امور میں وہ رائے وفکر نبوی پر مبنی ہوتے تھے، ان اجتہادی امور اور احکام عقلیہ میں صحابہ کرامؓ کا مشورہ اور اختلاف جائز تھا اور بشری حیثیت سے رسول ﷺ پر سہو اور نسیان وحالتِ مرض میں غلبہ درد کا اثر ہو سکتا تھا اور ہوا بھی، حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نہ صرف مزاج شناسِ نبوت تھے بلکہ جنتی تھے لہذا ان کا توقف کرنا حکم عدولی نہ تھا اور حضرت عمرؓ کا توقف رد وانکار کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ معاملہ کو سمجھ لینے کی بنا پر تھا اور

وہ اجتہادی امر تھا اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں سوئے ظن اور ان کے درمیان کینہ وعداوت کا خیال بھی ناجائز ہے بقول حضرت مجدد ہر مقدمہ اپنی اپنی جگہ ہر ایک کافی ہے لیکن ان کے مجموعے نے واقعہ قرطاس کی اصل ہیئت آشکار کردی ہے۔حضرت مجدد نے مشاجرات صحابہ کرامؓ خاص کر حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے سیاسی اختلاف پر بھی بہت صحیح اور متوازن رائے دی ہے اگر چہ ان کی رائے سے خاص کر اس جزئیہ سے کہ حضرت معاویہؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی اتفاق کرنا مشکل ہے اور وہ ان کی بنیادی رائے کی کاٹ بھی کرتا ہے کیونکہ حضرت علیؓ سے کسی صحابی کا اختلاف نہیں تھا اور نہ ان کی خلافت سے کسی کو انکار تھا۔صحابہ کرامؓ بحیثیت جماعت خلیفہ سوم کی شہادت اور خون ناحق کے قصاص کے طالب تھے اور اس مطالبہ میں حضرت معاویہؓ کے علاوہ بیشتر صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ان سب کو خطائے اجتہادی کا مجرم قرار دینا بڑی جسارت کی بات ہے۔پھر خطائے اجتہادی کا فیصلہ کون کرے گا اس پر بھی بحث کی جاسکتی ہے۔بہر حال حضرت مجدد رحمہ اللہ نے خاص صوفی نقطہ نظر رکھنے کے باجود حدیث و واقعہ قرطاس پر بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے جو ان کی قرآن وحدیث اور علوم اسلامی میں مہارت اور مآخذ اسلامی پر گرفت کی بہترین مثال ہے۔

اختتامیہ:

حدیث قرطاس اور واقعہ قرطاس پر دو طبقات اہل علم نے الگ الگ بحث کی ہے ایک محدثین کرام بالخصوص شیخین جلیلین اور ان کے شارحین کرام نے،ان کی احادیث صرف ایک صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م-۶۸/۶۸۸ء) سے مروی ہیں اور ان کی روایت کرنے والے ان کے تمام شاگرد وراوی اگرچہ ثقہ ہیں تاہم سب کے سب اموی دور کے لوگ ہیں۔ان کی روایات میں اموی دور یا خلافت راشدہ کے اواخر کے سیاسی حالات کی جھلک ملتی ہے جو مشاجرات کا حوالہ بھی رکھتی ہے حیرت کی بات ہے کہ وفات نبویؐ کے معا بعد سے خلافت معاویہؓ کے درمیانی عرصہ میں ان کی مرویات کا بالکل پتہ نہیں چلتا ہے۔دوسرے اہل سیر وسوانح ہیں جن میں سرفہرست امام ابن سعد رحمہ اللہ ہیں اور وہ ایک ثقہ محدث بھی تھے لیکن ان کی احادیث قرطاس سے کسی نے اعتنا نہیں کیا۔ان کی بعض روایات حضرت ابن عباسؓ سے ہیں اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جن میں حضرت عمرؓ ہیں کہ ان ہی کو مورد طعن بنایا گیا ہے،دوسرے صحابہ کرامؓ میں حضرات علی بن ابی طالب ہاشمی اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ بطور عینی شاہد ہیں ان کی مرویات قرطاس نے واقعہ کی اصل ہیئت بقول شبلی نعمانی اور اس کی خصوصیات بیان کی ہیں اور ہر لحاظ سے وہ قیمتی اور اہم ہیں تیسرا زاویہ فکر وپیشکش صوفی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے دفتر دوم کے مکتوب:۹۶ میں چھ مقدمات عالیہ کی شکل میں ہے۔اس تیسرے زاویے سے کسی نے بھی اعتنا نہیں کیا ہے۔جدید سیرت نگاروں نے صرف صحیحین اور ان کے شارحین پر تکیہ کیا ہے۔

واقعہِ قرطاس کی اصل ہیئت واصل حقیقت تمام روایتی و درایتی نقد وتجزیے کے بعد یہ ابھرتی ہے کہ احادیثِ قرطاس بہر حال صحیح ہیں اگرچہ وہ پوری تصویر کشی نہیں کرتیں لہذا شبلی نعمانی وغیرہ کا درایتی نقد ان کے استناد کو ذرا بھی مجروح نہیں کرتا رسول اکرم ﷺ کو تا عمر اپنی امت مرحومہ کی ہدایت وصراط مستقیم پر گامزنی اور ضلالت وگمراہی سے حفاظت کا خیال رہا۔بار بار آپؐ نے اس

کے سلسلے میں ارشادات بحالت صحت فرمائے اور مرض الوفات میں اس کا ذکر زبان مبارک پر آتا رہا۔ صحیحین کے مطابق وفات سے چار دن قبل جمعرات کو ادوات کتابت طلب فرمائے تاکہ ایک صحیفہ و کتاب لکھ دیں اور اس کے بعد امت گمراہ نہ ہو صحابہ کرامؓ نے شدت مرض اور غلبہ درد کے سبب اس ارشاد نبوی کو اظہار درد و محبت سمجھا اور مجلس میں موجود صحابہ کرامؓ کے دو طبقات ہو گئے: ایک کا خیال تھا کہ جو کچھ بھی ہو تعمیل ارشاد میں عجلت کی جائے، دوسرے کا فیصلہ تھا کہ اس عالم میں مزید تکلیف نہ دی جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے کتاب و سنت کو ہدایت کے لیے کافی بتایا اور درد و کرب کے عالم میں تکلیف و زحمت نہ دینے کا اظہار کیا صحابہ کرامؓ میں بہت سے موجود حضرات جن میں حضرات علی بن ابی طالبؓ و عباس بن عبدالمطلبؓ وغیرہ شامل تھے ان سے اتفاق کیا۔ دوسرے صحابہ کرامؓ اور امہات المومنین کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی تکلیف کم ہو تو معاملہ سمجھ کر عمل کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کے اختلاف سے جو شور و غل ہوا اور ناگوار گزرا اور ان کے معاملہ فہمی اور طلب کاغذ کی تعمیل کی درخواست کے باوجود آپؐ نے ان کو مجلس سے اٹھا دیا اور پھر چار دنوں تک سلامت با کرامت رہنے کے باوجود نہیں لکھوایا۔ مرویات سیرت و تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے وفات کے دن تک اسے لکھوانے کی کوشش کی مگر آخر آخر میں اس کو ترک فرما دیا اور کتاب موعود نہیں لکھوائی۔

ان تمام روایات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا طلب کاغذ و دوات کا حکم واجب نہیں تھا وہ آپؐ کے اجتہاد و فکر پر مبنی تھا اور وحی الٰہی کا پابند نہ تھا ورنہ آپؐ اس کتاب و صحیفہ کو بہر حال لکھواتے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی طویل صحت اور مزاج شناسی نبوت سے پہچان لیا تھا کہ وہ اجتہادی امر و حکم ہے اور ایسے معاملات و امور میں وہ بحث و مباحثہ کرتے رہے تھے اور جب قطعی حکم نبوی جان جاتے تو تعمیل کرتے تھے۔ ان کا اختلاف و تنازع اسی قسم کا تھا وہ پسندیدہ اور جائز تھا۔ بس اس کے شور و غل نے خرابی پیدا کی تھی۔ پھر بھی انہوں نے اسے سمجھنے کی کوشش آخر آخر تک کی مگر رسول اکرم ﷺ نے کتاب ہدایت آخر میں نہیں لکھوائی کہ آپؐ بھی حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے ہمنوا صحابہ کرامؓ کے خیال سے متفق تھے کہ کتاب الٰہی اور سنت نبوی امت مرحومہ کو گمراہی و ضلالت سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، دہلی، ۲۰۰۱ء ج اول، ۲۰۰۵ء ج دوم؛ نیز امام غزالی، شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتب تصوف وغیرہ، مضامین خاکسار بالخصوص، :حقیقت تصوف-ایک علمی وتنقیدی مطالعہ،مجلہ الاحسان الہ آباد زیر طبع

۲۔ شاہ ولی اللہ، القول الجمیل، اردو ترجمہ سید محمد فاروق، لاہور ۱۹۹۹ء، آداب وشرائط مرشد: ''پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا علم رکھتا ہو......'' ۴۵ ومابعد

۳۔ شاہ ولی اللہ، القول الجمیل، ''مرشد کا سنت کا عالم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ حدیث کی المصابیح جیسی کتاب پڑھ چکا ہو، اس نے اس میں تحقیق کی ہو'' اس بحث میں حضرت شاہ صاحب نے کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ اسی طرح وہ قرآنی نصاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تفسیر مدارک یا تفسیر جلالین جیسی کتاب پڑھ کر اس کی تحقیق کی ہو۔''

۴۔ ہمعات اردو ترجمہ ۶۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ خاکسار، ''صوفیہ کے لیے نصاب علوم شرعی'' (زیر طبع)

۵۔ شیخ سرہندی، مکتوبات امام ربانی، لاہور، ۱۹۶۴ء؛ اردو ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی، دہلی، ۱۹۹۶ء (مکتوب ۱۱۷) وغیرہ، شاہ ولی اللہ، ہمعات، ۱۶، ۱۷ وغیرہ)

۶۔ توبہ: ۴۳، حضرت مجدد نے اگرچہ قرآنی نطق کے ساتھ وحی کو خاص بتایا ہے جیسا کہ قول عمرؓ میں کتاب اللہ کے کافی ہونے کا ذکر ہے مگر اس سے قرآن وسنت دونوں مراد ہیں۔ وحی الٰہی الفاظ ومعانی کے ساتھ قرآن میں ہے اور معانی کے ساتھ الفاظ نبوی/حدیث میں ہے۔ بحث کے لیے کتاب خاکسار، وحی حدیث کے ابواب ملاحظہ ہوں۔

۷۔ الحشر: ۲ ۸۔ آل عمران: ۱۵۹

۹۔ اسیران بدر پر بحث کے لیے سورۃ انفال کی تفسیر اور کتب سیرت میں واقعہ بدر ملاحظہ ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی نے صحابہ کرامؓ کے مشوروں اور اختلافات بابت اجتہادی احکام میں صرف ایک مثال دی ہے ورنہ سیرت وحدیث میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ بحث کے لیے خاکسار کی کتاب ''عہد نبوی میں اختلافات اور ان کی نوعیتیں، (زیر طبع)

۱۰۔ بخاری، جامع صحیح، کتاب الاذان، باب صلوۃ الجماعۃ والامامۃ، رقم الحدیث ۶۷۷، موسوعۃ الحدیث الشریف، ص ۱۴۷

۱۱۔ عہد نبوی میں اختلافات بحث بر نماز، بخاری، کتاب السہو، باب ماجاء فی السہو الخ، وغیرہ ح ۱۲۲۷-۱۲۲۹ متعدد دیگر، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۲۰/۳ ومابعد

۱۲۔ حضرت مجدد الف ثانی نے رسول اللہ ﷺ کی بشریت وعبدیت اور پیغمبرانہ عصمت پر بحث کر کے ان دونوں کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ان کا یہ نکتہ وشرح نادر ہے۔ کسی اور شارح نے اس کی وضاحت کلی احوال کے حوالے سے نہیں کی۔ اور ان دونوں احوال کی مماثلت ان کی شاندار شرح ہے۔

۱۳۔ حضرت مجدد کا خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ایک خاص نظریہ ہے جو صحیح احادیث پر مبنی ہے۔ اس پر ایک الگ مقالے میں بحث آتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے مناقب اور ان کے جنتی ہونے کے لیے آیات قرآنی مذکورہ بالا ہیں بخاری ومسلم کے کتاب فضائل ومناقب صحابہ ملاحظہ ہوں۔ نیز تفاسیر اہل سنت۔

۱۴۔ حضرت مجدد کا یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ صحابہ کرامؓ عدول تھے، اسلام کے شیدائی اور رسول اللہ ﷺ کے عاشق صادق تھے، صحبت نبوی سے مشرف ہو چکے تھے لہٰذا ان کا ایمان وعقیدہ، محبت وعقیدت اور صحبت نبوی سے سرفرازی ان کو رد وانکار کی جسارت ہی نہیں دے سکتی تھی۔

۱۵۔ النجم:۳-۴ ۱۶۔ المائدہ:۴۴

۱۷۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ کی یہ پوری بحث شارحین حدیث اور کاملین سیرت کی بحثوں پر بھاری ہے اور ان پر بہت قیمتی اضافے کرتی ہے عہد نبوی میں اجتہاد کی گنجائش اور بعد کے زمانوں میں اجتہاد کی ضرورت وعمل پر ان کا ارشاد بہت نادر ہے۔ وہ باب اجتہاد کے بند ہونے کے نظریے کی بھی کاٹ کرتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ان کے اجتہادات کا خاص نظریہ وعمل ثابت کرتا ہے۔ اس پر مزید بحث کی ضرورت ہے۔

۱۸۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ نے صرف شیخین کی خلافت اور ان کے باہمی اعتماد وجانشینی کا ذکر بطور مثال کیا ہے کیونکہ اس باب میں خاص حضرت عمر فاروقؓ کی ذات والا صفات کو مورد طعن بنایا جا رہا تھا۔ پھر حضرت فاروقؓ تنہا روکنے والے نہ تھے صحابہ کی پوری جماعت تھی۔

۱۹۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ کا یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے جس نے حدیث وواقعہ قرطاس کی تشریعی جہات میں بہت نادر اضافہ کیا ہے کہ وہ کسی اور کے ہاں نہیں ہے۔

۲۰۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ یہ تمام تشریح وتفصیل خاص اہل تشیع کے مطاعن صحابہ ومطاعن شیخین کے حوالے سے ہے اور وہ بالکل بدیہات میں سے ہے۔

۲۱۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے شبلی پر متعدد مقامات پر نقد کیا ہے اور مولانا عبدالرؤف داناپوری نے بھی۔ ان کے چبائے ہوئے نوالے بعض جدید ناقدین نے اگلے ہیں اور ان میں بددیانتی بہت واضح ہے۔ بقول ایک عالم ان تمام تنقیدات کے باوجود مولانا شبلی رحمہ اللہ اپنی پوری قامت وعظمت کے قائم ہیں اور ان کے ناقدین کو اہل علم کے یہاں اعتبار حاصل نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مولانا شبلی رحمہ اللہ بالائے تنقید ہیں اور ان سے تسامحات نہیں ہوئے۔

۲۲۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا مقالات ومضامین مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی وخاکسار راقم۔

۲۳۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۲/۲۳۱ ومابعد، نمبر ۲۴۷۹؛ زید بن اسلم عدوی، ثقہ، م-۱۳۶ھ/۷۵۳ء؛ ۱/۱۷۰ نمبر ۵۰۱، اسلم عدوی م ۸۰/۶۹۹، ثقہ۔

۲۴۔ تہذیب ۱/۱۱۵ ومابعد، یزید کے فرزند ابراہیم تین تھے، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶؛ ۵/۲۸۱ ومابعد نمبر ۱۹۷۳، ابوالزبیر مکی کا اصل نام محمد بن مسلم ہے، م-۱۲۶ھ/۷۴۴ء، ثقہ، صحاح کے راوی ہیں۔

۲۵۔ تہذیب، ۱/۱۳۵، نمبر ۳۹۲، لیثی مولیٰ اور ابوزید مدنی تھے، بعض نے جرح کی ہے۔ م-۱۵۳ھ/۷۷۰ء ثقہ تھے؛ ۵/۵۰۰۸ ومابعد، ۷۹۱۹ھ، م-۶۹/۱۵۲/۷۶۹ء، ثقہ مامون امام تھے۔

۲۶۔ تہذیب ۱/۶۹ ومابعد، نمبر ۱۸۰، انصار کے قبیلہ بنو عبدالاشہل کے مولیٰ تھے م-۱۶۵ھ/۷۸۲ء ثقہ بقول امام احمد، بعض کے نزدیک غیر ثقہ، داؤد بن حصین اموی مولیٰ تھے اور ابوسلیمان مدنی کے نام سے مشہور، امام مالک نے ان کی روایات لی ہیں، بعض کے نزدیک غیر ثقہ م-۱۳۵ھ/۷۵۲ء۔

۲۷۔ واقدی کی کتاب المغازی اور مسند احمد بن حنبل کے تقابلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو، مارسدن جونز کی مرتبہ کتاب المغازی، آکسفورڈ

۱۹۶۶ء کا مقدمہ، رواۃ وشیوخ ابن سعد کے لیے، ابن حجر کی تہذیب التہذیب، بیروت ۱۹۹۳ء کے مختلف تراجم ملاحظہ ہوں: محمد بن عبداللہ انصاری/ قرہ بن خالد، حفص بن عمر حوضی/ عمر بن فضل عبدی/ نعیم بن یزید، ہشام بن سعد/ زید بن اسلم/ اسلم مولیٰ عمر میں سب کی ثقاہت کا ذکر ضرور ملتا ہے اگرچہ بعض پر نقد بھی کیا گیا ہے۔

۲۸۔ بحث کے لیے ابن اسحٰق/ ابن ہشام وغیرہ کی سیرت میں واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ، خاکسار کی کتاب تاریخ تہذیب اسلامی، جلد دوم کے ابواب۔

۲۹۔ سعید بن جبیر، ۴۵/۶۶۰ -م-۹۰ھ/۷۱۴ء، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ؟ م-۹۴ھ/۷۱۳ء مابعد؛ عکرمہ؟ م-۱۰۷ھ/۷۲۵ء بلاشبہ اموی دور کے افراد ورواۃ ہیں اوران کی حضرت ابن عباسؓ سے براہ راست روایات ان کو اموی خلافت میں اخذ کرنے کو ثابت کرتی ہیں جو حیرت انگیز ہے؛ ابن حجر، تہذیب التہذیب، بیروت، ۱۹۹۳ء، ۱۸/۴: نمبر ۴۹۵۱، ۱۶۷/۴-۱۷۲: نمبر ۵۳۷۷: عکرمہ البربری، ۲۹۲/۲، ما بعد نمبر ۲۶۷۷ سعید بن جبیر بن ہشام۔

۳۰۔ بخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر لتلاقی الناس، ح ۲۰۲۳: نیز دیگر احادیث، فتح الباری، ۳۲۳/۴، مابعد

۳۱۔ النجم: ۳

۳۲۔ احمد، ابن حنبل، المسند، ج ۲ص ۱۹۲؛ حاکم، المستدرک، ج ۳ص ۵۳۸

۳۳۔ الانعام: ۳۸

۳۴۔ نماز تراویح کے لیے بخاری، کتاب صلوۃ التراویح، فتح الباری، ۳۱۷/۴ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ آسان کام اور اعتدال کے لیے، بخاری کے کتاب الآداب کے ابواب وغیرہ۔ نماز تراویح کے ترک میں رسول اکرم ﷺ نے جو وجہ بتائی ہے اس میں لوگوں کے عاجز رہ جانے کا بھی حوالہ ہے: ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجز واعنھا، ح: 2012۔

۳۵۔ النجم: ۳-۴

۳۶۔ مقالہ خاکسار، وفات نبوی پر خطبہ فاروقی کی معنویت، معارف اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۷ء ۴۰۵-۴۱۷، فتح الباری، ۹۳۸/۸-۹۴۱، نیز احادیث بخاری، ۳۶۶۹-۳۶۷۰، نیز احادیث بخاری، ۱۲۴۱-۱۲۴۲ اوران کے متعدد اطراف۔

۳۷۔ بخاری، صحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ، ح ۴۴۴۲؛ فتح الباری، ۷۶/۸ او مابعد؛ اس میں خطبہ آخر کا بھی حوالہ ہے۔

۳۸۔ بخاری، صحیح، کتاب الوضوء، باب الغسل والوضوء بالمخضب، کتاب الاذان، باب حد المریض الخ، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ؛ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استخلاف الامام وغیرہ؛ فتح الباری، متعلقہ ابواب کے جلدیں۔